کشکول

خواجہ شمس الدین عظیمی

کشکول

خواجہ شمس الدین عظیمی

آواز سروش

کائنات کیا ہے؟۔۔۔ایک نقطہ ہے۔۔۔نقطہ ایک نور ہے اور نور روشنی ہے۔

ہر نقطہ تجلّی کا عکس ہے۔یہ عکس جب نور اور روشنی میں منتقل ہوتا ہے تو جسم مثالی بن جاتا ہے۔جسم مثالی (Aura) کا مظاہرہ گوشت پوست کا جسم ہے۔

ہڈیوں کے پنجرے پر قائم عمارت گوشت اور پٹھوں پر کھڑی ہے۔کھال اس عمارت کے اوپر پلاسٹر اور رنگ وروغن ہے۔ وریدوں، شریانوں، اعصاب، ہڈیوں، گوشت اور پوست سے مرکب آدم زاد کی زندگی حواس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

حواس کی تعداد پانچ بتائی جاتی ہے جب کہ ایک انسان کے اندر ساڑھے گیارہ ہزار حواس کام کرتے ہیں۔

آدم زاد کے دو روپ ہیں۔ایک ظاہر روپ، دوسرا باطن روپ۔باطن رُخ میں روپ کا عمل دخل ہے رُوح کائنات کے ہر ذرے میں مستقل گشت کرتی رہتی ہے کائنات میں جتنی تخلیقات ہیں اور کائنات میں جتنے عناصر ہیں جتنے ذرات ہیں ہر ایک ذرہ (Cell) رُوح کی تحریکات پر زندہ ہے۔

رُوح جب تک اپنا رشتہ جوڑے رہتی ہے زندگی مسلسل حرکت ہے اور جب رُوح جسم سے رشتہ توڑ لیتی ہے تو حرکت معدوم ہو جاتی ہے۔

رُوح کے لاکھوں، کروڑوں روپ ہیں اور ہر روپ بہروپ ہے۔آدم زاد ایک طرف رُوح ہے تو دوسری طرف رُوح کا بہروپ ہے۔ روپ بہروپ کی یہ کہانی ازل میں شروع ہوئی اور ابد تک قائم رہے گی۔یہ کہانی دراصل ایک ڈرامہ ہے۔مختلف روپ (افراد) آتے ہیں اور اسٹیج پر اپنے کردار (بہروپ) کا مظاہرہ کر کے چلے جاتے ہیں۔

روپ بہروپ کا یہ مظاہرہ ہی ماضی، حال اور مستقبل ہے۔ میں چونسٹھ سال کا آدمی دراصل بچپن، جوانی اور بڑھاپے کا بہروپ ہوں۔

کہیں کی اینٹ ، کہیں کا روڑا
بھان متی نے کنبہ جوڑا

میں نے چونسٹھ سال میں تیئس ہزار تین سو ساٹھ سورج دیکھے ہیں۔ ہر نیا سورج میرے بہروپ کا شاہد ہے تیئس ہزار سے زیادہ سورج میری زندگی میں ماضی، حال اور مستقبل کی تعمیر کرتے رہے۔۔۔ میں اب تھک گیا ہوں۔۔۔ لیکن میرے ساتھ چپکے ہوئے ماضی، حال اور مستقبل میرے روپ کے مزید بہروپ بنانے پر مستعد نظر آتے ہیں۔

روپ بہروپ کی یہ داستان المناک بھی ہے اور مسرت آگیں بھی۔ میں اس المناک اور مسرت آگیں کرداروں کو گھاٹ گھاٹ پانی پی کر کاسئہ گدائی میں جمع کرتا رہا اور اب جب کہ کاسئہ گدائی لبریز ہو گیا ہے۔ میں آپ کی خدمت میں روپ بہروپ کی یہ کہانی پیش کر رہا ہوں۔

خواجہ شمس الدین عظیمی
یکم دسمبر ۱۹۹۰ء

فہرست

آوازِ سروش 2
توانائی 17
ایٹم 18
مشرق و مغرب 19
خلائی تار 20
انجام 21
بجنی مٹی 22
اوصاف 23
وجدان 24
منزل 25
کائناتی مشین 26
کیش چیک 27
فرشتے 28
علم کتاب 29
رُوحانی آدمی 30
سکون 31
خوف اور غم 32
پہچان 33
بندہ 34
آنسو 35
اللہ کے دوست 36

ازدواجی زندگی 37
اناکی لہریں 38
خواب 39
ڈائی 40
رُوح کانام 41
صورتیں 42
خیروشر 43
سرکل 44
یقین 45
ہوائی کرہ 46
ورائے لاشعور 47
ورثہ 48
نور 49
نباتات وجمادات 50
نسیمِ سحر 51
نورونار 52
نماز 53
محاسبہ 54
مادی جسم 55
مستقبل 56
متقی 57
کتاب المبین 58
قلندر شعور 59

قینچی 60
قدرت کے راز 61
فریبِ نظر 62
فن 63
پردہ 64
تاثرات 65
آگ کا ستون 66
غلامی 67
خاندان 68
خلوص 69
ترقی یافتہ دور 70
سعید اور شقی 71
ھرجائی 72
ہلاکت 73
مسخ چہرے 74
مایا جال 75
ماں باپ 76
کبر و نخوت 77
کاشت 78
قانون 79
قیام 80
غفلت 81
مٹی کے ذرات 82

علم طبعی 83
قندیل 84
بے ثباتی 85
آزاد طرز فکر 86
ٹوٹ پھوٹ 87
لہو لہو 88
ایک لاکھ چوبیس ہزار 89
ضمانت 90
ایک ذات 91
پہلا اسکول 92
امانت 93
دوستی 94
پھول 95
پرندے 96
حقوق 97
ہمارا ورثہ 98
تلاش 99
محبت 100
جنت دوزخ 101
وجود 102
دوئی 103
ناچئے ناگٹھے 104
ڈولفن 105

ندامت 106
شعلے 107
منافقت 108
زینت 109
مقدّر 110
وسائل 111
گمراہی 112
آسمانی کتابیں 113
لطیف 114
نونہال 115
کائناتی حقیقت 116
نصیحت 117
عظمت 118
مساوات 119
ہدایت 120
محروم 121
علم وآگہی 122
مہر 123
سعادت 124
لیل ونہار 125
کورچشم 126
لحد 127
رشتہ 128

گھٹن 129
روٹین 130
کارنامے 131
حاکم ومحکوم 132
فرماں برداری 133
خوشی 134
عذاب 135
پہرے 136
عبرت 137
نصیحت 138
عفریت 139
اطلاع 140
عناصر 141
ابلیس 142
جانور 143
جہالت 144
خیالی گھوڑا 145
دعا 146
باطنی آنکھ 147
چھ رنگ 148
دستِ نگر 149
اللہ کا فضل 150
دل 151

بے بضاعتی 152
بھان متی 153
چل چلاؤ 154
آسمان وزمین 155
آزمائش 156
ایک دن 157
ایندھن 158
انگارے 159
اظہار ندامت 160
ترقی یافتہ ذہن 161
توکل 162
ایثار 163
تقرب 164
تقاضے 165
آزادی 166
اشرف حواس 167
ابدی سکون 168
انسان 169
پہاڑ 170
پرواز 171
ڈرامہ 172
خوف 173
بارش 174

دور دراز........ 175
اذان 176
بوڑھا........ 177
حقیقت آگاہی........ 178
سچی خوشی........ 179
رسوائی........ 180
ناسُور 181
شعور لاشعور 182
ممکن 183
شماریات........ 184
رابعہ بصری 185
ذہنی یکسوئی 186
کمپیوٹر........ 187
زنجیر........ 188
محکوم 189
کفران 190
مرشد........ 191
ویرانہ........ 192
طرز تفہیم 193
سائنس 194
ہمارا دوست........ 195
سُود........ 196
محبوب 197

صراط مستقیم 198
مہربانی 199
نشیب وفراز 200
سلامتی 201
سریلی آواز 202
سمندر 203
بری بات 204
محدود 205
ضابطہ حیات 206
ورائے بے رنگ 207
شہد کا پیالہ 208
شوہر 209
روشن لفظ 210
گرم لہریں 211
نجوم 212
قلب 213
ٹائم اینڈ اسپیس 214
فلم 215
قرآن 216
کندن 217
ماحول 218
کاروبار 219
موت کی آنکھ 220

قائم ودائم 221
مشاہدہ 222
کسان 223
لفظ 224
کم وسعت 225
مذہب 226
شان وشوکت 227
شاگرد 228
زندگی 229
شراب 230
خلا 231
خسارہ 232
تفکر 233
تحقیق 234
حیوان اور غیر ناطق 235
بہاؤ 236
خوشی 237
دافعِ بلیّات 238
سچ اور جھوٹ 239
ذاتی وصف 240
صناعی 241
حاکمِ اعلیٰ 242
عالمین 243

جھاڑو 244
آفات 245
کفالت 246
احساس کمتری 247
گونگے بہرے 248
نسلی تشخص 249
نمونہ 250
برتری 251
مراقبہ 252
انسائیکلوپیڈیا 253
لوحِ محفوظ 254
اسکرین 255
رضائے الٰہی 256
تخت 257
فنا 258
تعصّب 259
فتنہ 260
آزادی 261
کشش 262
ملائکہ 263
آغاز 264
تفاسیر 265
مقدار 266

نفرت 267
ناشاد........ 268
اسراف 269
لاش........ 270
کھنڈرات 271
الٰہی مشن 272
تشخص 273
عطر بیز 274
قدرت کے ہاتھ 275
استغنا........ 276
بڑائی 277
فارمولا 278
خدمت خلق........ 279
معانی 280
فلسفہ 281
انعام یافتہ........ 282
خودشناسی 283
فاضل عقل........ 284
ایک قطرہ........ 285
من مندر........ 286
نیلاپربت 287
طلسم 288
شیر اور بکری........ 289

دعوتِ دین 290
صحائف 291
دو لکیریں 292
گردش 293
اللہ کا ذہن 294
فیضان 295
توقعات 296
کھربوں دنیائیں 297
طاقت 298
امتحان 299

توانائی

آسمانی کتابوں کے مطابق سکون حاصل کرنے کا موثر طریقہ یہ ہے کہ انسان غصہ نہ کرے اور کسی بات پر پیچ وتاب نہ کھائے۔ عملی جدوجہد میں کوتاہی نہ کرے۔ اور نتیجے کے اوپر نظر نہ رکھے۔ زمین پر بسنے والی قومیں زندگی کے جن اصولوں پر کاربند ہیں ان کا مطالعہ کرے۔ قانون فطرت میں کہیں جھول نہیں ہے۔ ہر چیز وقت کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی ہے۔ وقت جس طرح سے چابی بھر دیتا ہے شئے حرکت کرنے لگتی ہے۔ وقت اپنا رشتہ توڑ لیتا ہے تو کھلونے میں چابی ختم ہو جاتی ہے۔ کل پرزے سب ہوتے ہیں لیکن قوت باقی نہیں رہتی۔ وقت قوت کا مظاہرہ ہے۔ قوت ایک توانائی ہے، ایک مرکز ہے اور اسی مرکز کو آسمانی کتابیں قدرت کے نام سے متعارف کراتی ہیں۔ قدرت ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے جس نقطے کے ساتھ پوری کائنات کے افراد بندھے ہوئے ہیں۔ وجود اور عدم دونوں اس میں گم ہیں۔ انسان جب کائنات کے مرکزی نقطے سے اپنا رشتہ تلاش کر لیتا ہے اور خالق کائنات کو جان لیتا ہے تو دنیا سے اس کی ساری توقعات ختم ہو جاتی ہیں اور جب ایسا ہو جاتا ہے تو مسرتیں اس کے گرد طواف کرتی ہیں اور موت کی آنکھیں اسے مامتا سے دیکھتی ہے۔ اس کے قریب آنے سے پہلے دستک دیتی ہے اور اجازت کی طلبگار ہوتی ہے۔

ایٹم

کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا بار بار یا زیادہ صحیح اندازوں کے مطابق ۱۶ مرتبہ تباہ ہو کر دوبارہ آباد ہوئی ہے۔ خوبصورت رنگین باغ و بہار سے مزین، پُر کشش برفانی کہساروں، موتی کی طرح چمکتے دمکتے آبشاروں، آفتاب کی شعاعوں اور چاند کی کرنوں کا مسکن یہ دنیا اب پھر چالیس ہزار ایٹم بموں کی زد میں موت کے دہانے پر کھڑی ہانپ رہی ہے، یہ کیسی ترقی ہے کہ ہم نے آتش فشاں کو اپنا مسکن بنالیا ہے بالآخر ترقی کا یہ فسوں ایک دن ٹوٹ جائے گا۔ اس سے پہلے بھی ہوتا رہا ہے کہ وہ قومیں جو فنا اور بقا کے فارمولوں سے ناآشنا ہو گئی تھیں زمین پر سے اُٹھالی گئیں اور آج ان کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔ ذرا سوچئے تو صحیح تباہی ہمارے تعاقب میں ہے اور ہم اسے ترقی کا نام دے کر خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ ایک روز فسوں ساز لوگوں کو یہ باور کرنا ہو گا کہ ایٹمی ہتھیار نوع انسانی کے لیے ترقی نہیں بلکہ انسانی نسل کے لئے دہکتی بھٹی ہے۔ یہ اربوں کھربوں ڈالر نوع انسانی کی بقا اور خوشحالی کے کام آتے مگر انسان دشمن سائنسدانوں نے ان ڈالروں کو بھٹی میں جھونک دیئے ہیں۔ کوئی نجات دہندہ آئے گا اور آتش گیر فسوں کو راکھ کے ڈھیر میں بدل دے گا تاکہ نوع انسانی سکون اور آشتی کا سانس لے سکے۔

مشرق و مغرب

شعوری حواس میں کام کرنے والی لہریں مثلث (TRIANGLE) ہوتی ہیں اور لاشعور میں کام کرنے والی لہریں دائرہ (CIRCLE) ہوتی ہیں۔ زمین کی حرکت دو رخ پر قائم ہے ایک رخ کا نام طولانی حرکت ہے اور دوسرے رخ کا نام محوری حرکت ہے یعنی زمین جب اپنے مدار پر حرکت کرتی ہے تو وہ طولانی گردش میں ترچھی ہو کر چلتی ہے اور محوری گردش میں لٹو کی طرح گھومتی ہے۔ طولانی گردش مثلث ہے اور محوری گردش دائرہ ہے۔ ہماری زمین پر تین مخلوق آباد ہیں۔ انسان ،جنات ، ملائکہ عنصری۔انسان کی تخلیق میں بحیثیت گوشت پوست مثلث غالب ہے اس کے برعکس جنات میں دائرہ غالب ہے اور فرشتوں کی تخلیق میں جنات کے مقابلے میں دائرہ زیادہ غالب ہے ،انسان کے بھی دو رخ ہیں۔ غالب مثلث اور مغلوب رخ دائرہ۔جب کسی بندے پر مثلث کا غلبہ کم ہو جاتا ہے اور دائرہ غالب آجاتا ہے تو وہ جنات فرشتوں اور دوسرے سیاروں میں آباد مخلوق سے متعارف ہو جاتا ہے۔نہ صرف یہ کہ متعارف ہو جاتا ہے بلکہ ان سے گفتگو بھی کر سکتا ہے۔طولانی گردش مشرق اور مغرب کی سمت میں سفر کرتی ہے اور محوری گردش شمال سے جنوب کی طرف رواں دواں ہے۔

خلائی تار

چند خلا باز خلا میں جا چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سو میل سے زیادہ بلندی پر بالکل بے وزنی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اب صحیح صورت حال سمجھنا چاہیں تو یہ نظر آئے گا یا یہ حقیقت منکشف ہو گی کہ ساڑھے تین ارب انسان اور چلنے پھرنے والے چوپائے سب کے سب ٹانگوں کے بل زمین سے لٹکے ہوئے ہیں۔ ہر انسان یہ کہتا ہے کہ میں پیروں کے بل زمین پر چل رہا ہوں۔ غور کیجئے وہ کتنی غلط بات کہہ رہا ہے جب سے نوع انسانی آباد ہے وہ تمام لوگ جن پر حقیقت منکشف نہیں ہوئی ہے یہی کہتے ہیں، یہی سمجھتے ہیں ۔ سوال یہ ہے کہ جب آدمی پیروں کے بل لٹک رہا ہے تو چل کیسے سکتا ہے۔ لٹکنے کی حالت بالکل جبری ہے۔ جبری حالت میں اس کا ارادہ بے معنی ہے اس لئے کہ اس کی کوئی اپنی حرکت ممکن نہیں۔ یہ بات تو قرین قیاس ہے کہ جن تاروں میں اس کے پیر بندھے ہوئے ہیں وہ تار حرکت کرتے ہوں اور ان کے ساتھ پیر بھی حرکت کرتے ہوں ان تاروں سے انسان کے ارادے کا کیا تعلق جب کہ انسان کو ان تاروں کا کوئی علم ہی نہیں۔ باوجود اتنی صریح غلطیوں کے وہ دعوے کرتا ہے کہ میرا سر بلندی کی طرف ہے اور میرے پیر پستی کی طرف اور میں چلتا پھرتا ہوں واقعہ یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو ایک ہوّا بنا لیا ہے اور کہتا ہے کہ یہ ہوّا حقیقت ہے۔

انجام

یہ زمانہ جس میں ہم اور آپ یکساں طور پر کش مکش اور ابتلا کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور جہاں ہر طرف مادیت کی یلغار ہے۔ بتدریج اپنے انجام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ مادیت کی تیز روشنی میں بصارت کی خیر گی اور دل سوز جلن ہے مگر رُوح کی لطافت اور بصیرت کی نمی نہیں ہے جس طرح مادیت کو قرار اور دوام نہیں ہے اسی طرح مادیت کی بنیاد پر جو عمارت تعمیر ہوگی وہ دیر یا سویر ضرور زمیں بوس ہو جائے گی۔ یہ نظام قدرت ہے اور کوئی اس کا توڑ نہیں۔

مسلمان کے اوپر فرض ہے کہ وہ دنیاوی فنون و کمالات حاصل کر کے خود کو بلند ترین مقامات پر فائز کرنے کے لئے کوئی وقیقہ نہ اٹھا رکھیں مگر اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی فراموش نہ کی جائے کہ یہ معاشی اور مادی ترقی اور خوشحالی ہی زندگی کا مقصد نہیں ہے ۔ بصارت چشم سے زیادہ بصیرت قلب پر فکری اور عملی توجہ پر مرتکز رہنی چاہئے بقول علامہ اقبال ۔

دلِ بینا بھی کر خُدا سے طلب
آنکھ کا نُور دِل کا نُور نہیں

بجنی مٹی

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں یہ کتاب ان لوگوں کو روشنی دکھاتی ہے جو اپنے اندر اللہ کے بارے میں ذوق رکھتے ہیں۔" دوسری جگہ ارشاد ہے "میں نے انسان کو بجنی مٹی سے بنایا ہے۔"

یہاں مٹی کی فطرت (Nature) بیان کی گئی ہے جو خلا ہے۔ یہ بات سمجھنا بہت آسان ہے کہ ذوق میں نہ وزن ہوتا ہے نہ ذوق کے لئے فاصلہ کوئی معنی رکھتا ہے، نہ ذوق زمین و آسمان کی حدود کا پابند ہے۔ نہ اسے وقت پابند بنا سکتا ہے۔ یہی ذوق چلتا پھرتا ہے یہ بات ضرور ہے کہ انسان اس سے اس وقت تک متعارف نہیں ہوتا جب تک اس سے تعارف حاصل نہ کر لے۔ جب تعارف حاصل کر لیتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہی ذوق انسان ہے۔ یہ پوری کائنات میں آزاد ہے فرشتوں کا سربراہ ہے۔ اللہ کی بہترین صنعت ہے اور کائنات میں اللہ کا نائب ہے۔ نہ وہ پیروں سے چلنے اور ہاتھوں سے پکڑنے کا پابند ہے۔ اور نہ وہ آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کا محتاج ہے یہ ساری خرافات انسان نے آپ ہی تخلیق کی ہیں اور آپ ہی ڈھول بجاتا پھرتا ہے کہ ہائے میں تو بالکل مجبور ہوں۔

اوصاف

اللہ تعالٰی کا ہر اسم اللہ تعالٰی کی صفت ہے اور اللہ تعالٰی کی ہر صفت قانون قدرت کے تحت فعال اور متحرک ہے۔ ہر صفت اپنے اندر طاقت اور زندگی رکھتی ہے۔ جب ہم کسی اسم کا ورد کرتے ہیں تو اسم کی طاقت تاثیر کا ظاہر ہونا ضروری ہے۔ اگر مطلوبہ فوائد حاصل نہ ہوں تو ہمیں اپنی کوتاہیوں اور پُر خطا طرزِ عمل کا جائزہ لینا چاہئے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ علاج میں دوا کے ساتھ پرہیز کرنا ضروری ہے اور بدپرہیزی سے دوا غیر مؤثر ہو جاتی ہے۔ کوتاہیوں اور خطاؤں کے مرض میں جو پرہیز ضروری ہے وہ یہ ہے۔ حلال روزی کا حصول، جھوٹ سے نفرت، سچ سے محبت، اللہ کی مخلوق سے ہمدردی، ظاہر اور باطن میں یکسانیت، منافقت سے دل بیزاری ،فساد اور شر سے احتراز، غرور تکبر سے اجتناب، کوئی منافق، سخت دل، اللہ کی مخلوق کو کمتر جاننے والا اور خود کو دوسروں سے برتر سمجھنے والا بندہ اسمائے الٰہیہ کے خواص سے فائدہ نہیں حاصل کر سکتا۔ کسی اسم کے ورد کرنے سے پہلے مذکورہ بالا صلاحیتوں اور اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرنا ضروری ہے۔

وجدان

جب تک مذہب اور خدا کے بارے میں ہمارے اندر فلسفی انداز اور منطقی استدلال موجود رہتا ہے ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچتے اس لئے کہ ماوراء ہستی کو سمجھنے کے لئے ماورائی شعور کا ہونا بھی ضروری ہے۔ پس ثابت یہ ہوا کہ مذہب ماورائی ہستی اور صداقت کی اصل اساس ہمارا غیر شعوری عقیدہ اور وجدان ہے۔ جب ہم وجدان میں قدم بڑھا دیتے ہیں تو فطرت ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ اور عقل اس کی پیروی کرتی ہے۔ یہ بات مشاہدہ میں ہے کہ جن لوگوں پر وجدان کی دنیا روشن ہو گئی ان لوگوں کے اندر خدا کے عدم وجود کے بارے میں خواہ کیسے بھی بلند دلائل پیش کئے گئے ان کے عقیدے میں اور ان کی طرز فکر میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ یہ حقیقت اس طرف راہنمائی کرتی ہے کہ وجدان ایک ایسا عالم ہے جس عالم میں ہر لمحہ، ہر آن حقیقتیں عکس ریز ہوتی رہتی ہیں۔ عالم وجدان میں سفر کرنے والا مسافر وہ سب کچھ دیکھ لیتا ہے جو عقل کی پہنائیوں میں گم رہنے والا بندہ نہیں دیکھتا۔

منزل

’’جب ان کے سامنے آیات الٰہی کی تفسیر پیش کی جاتی ہے تو ان کے سینے منور ہو جاتے ہیں‘‘(سورہ انفال) تاریکیوں سے نکلنے ،حزن و ملال کی زندگی سے آزاد ہونے ،اقوامِ عالم میں مقتدر ہونے ،دل و دماغ کو انوارِ الٰہیہ کا نشیمن بنانے ،نظام ربوبیت اور خالقیت کو سمجھنے کے لئے صحیفہ کائنات کے ذرے ذرے کا مطالعہ کرو صحیفہ کائنات کے ایک ایک جزو کی تشریح قرآن میں موجود ہے۔قرآن جہاں تسخیرِ کائنات کے فارمولوں کی دستاویز ہے وہاں انسانی زندگی کے لئے ایک دستور ہے۔اس دستاویز میں ایسے راستوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔جن پر چل کر ذلت عزت میں ،شکست ،فتح میں ،کمزوری قوت میں ،بدحالی خوشحالی میں اور انتشار وحدت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔اللہ کا قانون ہمہ گیر ہے سب کے لئے ہے۔جس طرح ہر آدمی متعین فارمولے سے کوئی چیز بنالیتا ہے اسی طرح صحیفہ ہدایت میں غور و فکر کر کے اپنے لئے ایک منزل متعین کی جاسکتی ہے۔

کائناتی مشین

روحانیت میں غیب کے مشاہدے کی ایک نظر ''سیر'' ہے۔ سیر کی آنکھ یہ دیکھتی ہے کہ کائنات کا سارا یکجائی پروگرام لوح محفوظ پر منقوش ہے اور لوح محفوظ کا منقوش پروگرام خالق کائنات کی تجلی سے بے شمار زمینوں (SCREENS) پر ڈسپلے ہو رہا ہے۔ تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار نوعیں اور انسانی شماریات سے زیادہ ان نوعوں کے افراد کائنات کے کل پرزے ہیں۔ یہ کائناتی مشین ایک دائرے CIRCLE میں چل رہی ہے۔ جزولا تجزیٰ وجود سے اس کی حرکت شروع ہوتی ہے۔ اور ماوراء ہستی کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ آسمان، زمین، دررخت، پہاڑ، چرندے، پرندے، حشرات الارض، فرشتے، جنات اور انسان سب اس عظیم الشان نظام کے اجزاء ہیں۔ جن کے اشتراک سے حرکت کا منظم سلسلہ جاری و ساری ہے۔ البتہ انسان ایسا واحد فرد ہے جو نظام کائنات کی میکانزم سے واقف ہے۔ باقی مخلوق اس میکانزم سے واقفیت نہیں رکھتی۔

کیش چیک

بات کچھ اس طرح ہے کہ ایک آدمی کے لئے پیدا کرنے والی ہستی نے ایک لاکھ روپے جمع کرائے۔اسی طرح جیسے ایک لاکھ روپے بینک میں جمع کر دیئے جاتے ہیں۔وسائل کو استعمال کرنے کے لئے آدمی کوشش اور جدوجہد کرتا ہے۔کوشش اور جدوجہد جیسے جیسے کامیابی کے مراحل طے کرتی ہے اس کو روپیہ ملتا رہتا ہے اور ضرورت پوری ہوتی رہتی ہے۔لیکن یہ بات اپنی جگہ اٹل ہے کہ کائناتی فلم (لوح محفوظ) میں وسائل کا ریکارڈ اور زرمبادلہ، متعین نہ ہوں تو ڈسپلے ہونے والی فلم نامکمل رہے گی۔ایک آدمی کے نام پر بینک میں کروڑوں روپے کا زرمبادلہ موجود ہے لیکن وہ اسے استعمال نہ کرے تو یہ زرمبادلہ اس کے کام نہیں آئے گا۔کوشش اور جدوجہد دراصل چیک کی حیثیت رکھتی ہے جس طرح چیک لکھ کر بینک سے روپیہ نکلوایا جاتا ہے اسی طرح معاش کے حصول میں جدوجہد لوح محفوظ سے وسائل حاصل کرنے کے لئے کیش چیک ہے۔

فرشتے

۱۴اگست کا سورج جوں ہی اُفق سے نمودار ہوا۔ان کی شعاعوں میں ایک پیغام تھا کہ ایک قوم دوسرے قوم سے آزادی حاصل کر کے اپنی نسل کے لئے ایک فلاحی مملکت قائم کرے۔ بھونکی اور ننگی قوم پر قدرت نے اپنے خزانے کھول دیئے تاکہ قوم وسائل کی کمی کا شکوہ نہ کرے اور قوم کے فلاحی کاموں میں کوئی رخنہ دراندازنہ ہو۔ایک نسل ختم ہوگئی ایک نسل جوان ہو کر بڑھاپے کی طرف گامزن ہے اور ایک نسل جوان ہورہی ہے۔تینوں نسلوں کو فرشتے ترغیبی پروگرام INSPIRE کرتے رہے مگر جیسے جیسے قدرت کا انعام عام ہوتارہا قوم کے اندر زر اور زمین کی ہوس بڑھتی گئی اور یہ حرص وہوس قوم کے جسم کے لئے ناسور بن گئی قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ دھرتی پر وہی قومیں زندہ رہتی ہیں جو اپنے ماضی کو یاد رکھتی ہیں اور حال میں کئے ہوئے اعمال کا محاسبہ کرتی ہیں۔

علمِ کتاب

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ساکت و صامت پنجرہ نہیں بلکہ بولتا، چلتا پھرتا، کھاتا پیتا، سوچتا سمجھتا انسان بنایا ہے۔ فرش سے عرش تک اس کا ایک قدم ہے، سوئی کا روزن اور آسمانوں کی کھلی فضا، ایک ستارے سے دوسرے ستارے تک کے لئے فاصلہ اس کے لئے ایک معنی رکھتا ہے۔ وہ نہ کہیں رکتا ہے نہ راستہ کھوٹا کرتا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ وہ خود کو جانتا نہیں کہ میں کیا ہوں اور کائنات کیا ہے ۔ حضورؐ کا نوع انسانی پر یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ انہوں نے ان تمام رازوں کو واشگاف کرکے رکھ دیا، سب راز انہوں نے از خود منکشف نہیں کر دیئے تھے بلکہ ان پر اللہ نے کھولے۔ من و عن انہوں نے قرآن کی صورت میں ریکارڈ کرادیا، انہوں نے ساری زندگی کی جفاکشی سہہ کر اس امانت کو نوع انسانی کے حوالے کیا۔ نوع انسانی نے جو قدر کی ہے وہ ظاہر ہے۔ اللہ نے اسی علم کو کتاب کا علم فرمایا ہے ہر انسان اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے چاہے اس کا نام زید ہو، بکر ہو، یا عمر ہو۔

رُوحانی آدمی

مراقبے کے ذریعے انسان عالم باطن کی دنیا سے روشناس ہوتا ہے۔جب سالک غیب کی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے تو جس طرح وہ عالم ناسوت یا اس دنیا میں زندگی گزارتا ہے اور زندگی کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اسی طرح وہ غیب کی دنیا میں نظام شمسی اور بے شمار افلاک کو دیکھتا ہے۔فرشتوں سے متعارف ہوتا ہے اس کے سامنے وہ تمام حقائق آجاتے ہیں جن حقائق پر یہ کائنات تخلیق ہوئی ہے۔وہ یہ بھی دیکھ لیتا ہے کہ کائنات کی ساخت میں کس قسم کی روشنیاں برسر عمل ہیں۔ان روشنیوں کا منبع(SOURCE) کیا ہے۔یہ روشنیاں کس طرح تخلیق ہو رہی ہے افراد کائنات میں کس طرح تقسیم ہو رہی ہیں اور روشنیوں کی مقداروں کی ردوبدل سے کائنات کے نقوش کس طرح بن رہے ہیں۔روحانی آدمی کی آنکھ یہ بھی دیکھ لیتی ہے کہ روشنیوں کا منبع انوار ہیں۔پھر اس پر وہ تجلی بھی منکشف ہو جاتی ہے جو روشنیوں کو سنبھالنے والے انوار کی اصل ہے۔

سکون

منفی سوچ اتنی زیادہ عام کیوں ہے کہ آدمی ان چیزوں سے خوش نہیں ہوتا جو اُسے حاصل ہیں۔ان خواہشات کے پیچھے کیوں سر گرداں ہے جن کے حصول میں وہ اعتدال کی زندگی سے رو گردانی پر مجبور ہے۔اس کا ایک ہی جواب ہے کہ ہم صبر استغناء کی نعمتوں سے محروم ہیں۔قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ صابر شاکر اور مستغنی نہیں ہیں فانی کائنات سے دور ہو جاتے ہیں سکون وعافیت اور اطمینان قلوب دبیز پردوں میں چھپ جاتے ہیں۔

سکون اور خوشی کوئی خارجی شئے نہیں ہے۔ یہ ایک اندرونی کیفیت ہے اس اندونی کیفیت سے جب ہم آشنا ہو جاتے ہیں سکون واطمینان کی بارش ہونے لگتی ہے۔بندہ اس ہمہ گیر طرز فکر سے آشنا ہو کر مصیبتوں، پریشانیوں اور عذاب ناک زندگی سے رستگاری حاصل کر کے اس حقیقی مسرت اور شادمانی سے واقف ہو جاتا ہے۔جو بندوں کا حق اور ورثہ ہے۔

خوف اور غم

قانون یہ ہے کہ ڈر اور خوف دو انسانوں کے درمیان، انسان اور درندوں کے درمیان، انسان اور سانپ کے درمیان، دُوری اور بُعد کی دیوار کھڑی کر دیتے ہیں۔ اس کے متضاد محبت سے قربت کا احساس وجود میں آتا ہے، اللہ، بھگوان، نروان، گاڈ(GOD) ایل ایلیا، ماوراء ہستی ہر خاص و عام کی سرپرست ہے۔ نگراں ہے، ابتداء ہے اور انتہاء ہے، خوف نگراں ذات سے بندہ کو عمیق سمندر میں پھینک دیتا ہے محبت سے قربت کا احساس جنم لیتا ہے۔ ماوراء ہستی اللہ سے جتنی محبت کی جائے وہ ہستی اسی مناسبت سے دس گناہ بندے کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ دوستی کا وصف قربت ہے نہ کہ دوری۔ دوست کو دوست سے نہ خوف ہوتا ہے نہ غم۔ آدم و حوا کے بیٹوں اور بیٹیوں کو عہد کرنا چاہئے کہ ماوراء ہستی آج کے بعد اللہ سے ڈریں گے نہیں، اس سے محبت کریں گے اس لئے کہ ماوراء ہستی خود اعلان کر رہی ہے کہ ''اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوتا ہے اور نہ غم ہوتا ہے۔''

پہچان

آدم کو مٹی سے بنایا ہے تو ہر آدمی مٹی سے بنا ہے اور ہم مٹی کو مٹی میں دفن کر دیتے ہیں۔ایک حسین مورتی جس کے حسن پر سب ہی لوگ جان دیتے ہیں اور والہ وشیدہ بنے رہتے ہیں اصل میں مٹی کے ذرات سے مرکب ہے۔ محبت کی شراب پینے والے جس پیالے میں شراب پیتے ہیں وہ پیالہ اسی مٹی سے بنتا ہے۔ قدرت کی کرشمہ سازی بھی کیا خوب ہے کہ ایک ہی مٹی سے مختلف شکلیں بناتی رہتی ہے اور پھر اسی مٹی میں ملا کر مٹا دیتی ہے۔اور پھر بنا دیتی ہے۔ تخلیق کے اس عمل میں واضح نشانیاں ہیں جو فی الواقع خالق کائنات کو جاننا پہچاننا چاہتے ہیں آدم کی افتاد طبع بھی عجیب ہے کہ اس نے چمک دمک رکھنے والی شراب کی نہروں کو جنت میں ویران چھوڑا قسم قسم کے پھولوں کو اور باغوں میں پرندوں کی چہکار کو بھی خیر باد کہہ دیا۔آدم کسی ایک بات یا کسی ایک چیز پر قانع نہیں رہتا ۔اس کا جنت میں رہتے رہتے جب جی گھبرانے لگا تو اسے چھوڑ کر زمین پر آ گیا اس کے مزاج میں ہر آن، ہر لمحہ تغیر اور تبدل ہے۔

بندہ

بندے کے اوپر اللہ کا یہ حق ہے کہ بندے کو اللہ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل ہو۔اس کا دل اللہ کی محبت سے سرشار ہو ۔اس کے اندر عبادت کا ذوق اور اللہ کے عرفان کا تجسس کروٹیں بدلتا ہو۔بندے کا اللہ کے ساتھ اس طرح تعلق استوار ہو جائے کہ بندگی کا ذوق اس کی رگ رگ میں رچ بس جائے۔اور بندہ اپنے پورے ہوش وحواس میں جان لے کہ میرا اللہ کے ساتھ ایک ایسا رشتہ ہے جو کسی آن، کسی لمحے اور کسی وقفے میں نہ ٹوٹ سکتا ہے نہ معطل ہو سکتا ہے اور نہ ختم ہو سکتا ہے یہ بات بھی حقوق اللہ میں شامل ہے کہ بندہ اس بات سے باخبر ہو اور اس کا دل اس کی تصدیق کرے کہ میں نے عالم ارواح میں اس بات کا عہد کیا ہے میرا رب مجھے بنانے والا، خدوخال بخش کر میری پرورش کرنے والا اور میرے لئے وسائل فراہم کرنے والا اللہ ہے اور میں نے اللہ سے اس بات کا عہد کیا ہے کہ کہ میں زندگی خواہ کسی عالم میں ہو آپ کا بندہ ہو کر گزاروں گا۔

آنسو

کون کہتا ہے کہ دولت پرستی اور بت پرستی دو الگ الگ باتیں ہیں۔ پتھروں کا پوجنا یا سونے کو پوجنا ایک ہی بات ہے۔ بت بھی پتھروں اور مٹی سے تخلیق کئے جاتے ہیں اور سونا بھی مٹی کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ سونے چاندی اور جوہرات کی محبت نے قوم کو اندھا کر دیا، دولت کا ذخیرہ شرافت اور خاندان کا معیار بن گیا۔ ہوس زر نے انسانی قدریں پامال کر دیں۔ اخلاق، نجابت اور قومی روایات سب ملبے کا ڈھیر بن گئیں۔ موت کے بعد زندگی پر سے یقین اٹھ گیا ہے۔ ساری قوم ''بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' کی تفسیر بن گئی۔ رُوحانی قدروں کو ذبح کر کے اخلاقی برائیوں کو جنم دیا جا رہا ہے اللہ کے دوست جب اس کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں تو قوم کانوں میں روئی اور منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر بیٹھ جاتی ہے۔ قوم کے نیک باطن افراد آنسو بہاتے ہیں اور شیطان اپنی کامرانی پر قہقہے لگاتا ہے۔

اللہ کے دوست

جسم کے تقاضوں کی طرح انسان کی رُوح میں بھی تقاضے ہوتے ہیں۔روح کے تقاضے بھی انسانی شعور کو یہ احساس دلاتے ہیں کہ ان تقاضوں کی تکمیل ہونی چاہیئے۔روحانی تقاضے ان کی تکمیل جسمانی تقاضوں سے زیادہ اہم اور نتیجہ خیز ہوتی ہیں۔ان کے نتائج جسمانی تقاضوں کے مقابلے میں زیادہ مسلسل اور عظیم الشان ہوتے ہیں۔

روحانی تقاضوں میں سب سے اہم اور سب سے زیادہ بنیادی تقاضہ جو ہر انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے وہ انسان کو احساس دلاتا ہے کہ اسے اپنے خالق سے رابطہ پیدا کرنا چاہیئے اور اسے ان خوشیوں اور مسرتوں سے بہرہ مند ہونا چاہیئے کہ جو اس رابطے اور قربت کا لازمی نتیجہ ہے اور کہا گیا ہے کہ ''اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوتا ہے نہ غم۔''(القرآن)

ازدواجی زندگی

بردباری، تحمل اور حکمت کی روش یہ ہے کہ آدمی درگزر سے کام لے اور اپنی بیوی کے ساتھ خوش دلی سے نباہ کرے ہو سکتا ہے اللہ اس عورت کے ذریعے مرد کو ایسے بھلائیوں سے نواز دے جن تک مرد کی پہنچ نہ ہو دیانتدار عورت اپنے ایمان سیرت اور اخلاق کے باعث پورے خاندان کے لئے رحمت ہے اس کی ذات سے کوئی ایسی سعید روح وجود میں آسکتی ہے جو ایک عالم کے لئے مشعل راہ بن جائے۔ اچھی اور نیک خصلت بیوی مرد کی اصلاح حال کے لئے ایک موثر ذریعہ ہے بیوی خاوند کو جنت سے قریب کر دیتی ہے اس کی قسمت سے دنیا میں خدا مرد کو رزق اور خوشحالی سے نوازتا ہے اور عورت کے کسی ظاہری عیب کو دیکھ کر بے صبری کے ساتھ ازدواجی تعلق کو برباد نہ کیجئے بلکہ حکیمانہ طرز عمل سے آہستہ آہستہ گھر کی مکدر فضا کو زیادہ سے زیادہ خوش گوار بنائیے۔

انا کی لہریں

انسانوں کے درمیان ابتدائے آفرینش سے بات کرنے کا طریقہ رائج ہے۔ آواز کی لہریں جن کے معنی معین کر لئے جاتے ہیں سننے والوں کو مطلع کرتی ہیں یہ طریقہ اس ہی تبادلہ کی نقل ہے۔ جو انا کی لہروں کے درمیان ہوتا ہے دیکھا گیا ہے کہ گونگا آدمی اپنے ہونٹوں کی خفیف جنبش سے سب کچھ کہہ دیتا ہے اور سمجھنے کے اہل سب کچھ سمجھ جاتے ہیں یہ طریقہ بھی پہلے طریقے کا عکس ہے ۔ جانور آواز کے بغیر ایک دوسرے کو اپنے حال سے مطلع کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی انا کی لہریں کام کرتی ہیں۔ درخت آپس میں گفتگو کرتے ہیں اور یہ گفتگو آمنے سامنے کے درختوں میں نہیں ہوتی بلکہ دور دراز کے ایسے درختوں میں بھی ہوتی ہے جو ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہی قانون جمادات میں بھی رائج ہے۔ کنکروں، پتھروں، مٹی کے ذروں میں من و عن اسی طرح تبادلہ خیال ہوتا ہے۔

خواب

خواب ہماری زندگی کا نصف حصہ ہے اور ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کے اندر ایسے حواس بھی کام کرتے ہیں جن کے ذریعے انسان کے اوپر غیب کا انکشاف ہو جاتا ہے، خواب اور خواب کے حواس میں ہم ٹائم اور اسپیس کے ہاتھ میں کھلونا نہیں ہیں بلکہ ٹائم اور اسپیس ہمارے لئے کھلونا بنے ہوئے خواب میں چونکہ اسپیس اور ٹائم (مکانیت اور زمانیت) کی جکڑ بندیاں نہیں ہیں۔ ہیں اس لئے ہم خواب میں ان حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں جو زمان و مکان سے ماوراء ہیں۔ آسمانی صحائف میں مستقبل کی نشاندہی کرنے والے خوابوں کا ایک سلسلہ ہے جو نوع انسانی کو تفکر کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق خواب میں غیب کا انکشاف صرف انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے مخصوص نہیں بلکہ ہر انسان اللہ کے اس قانون سے فیض یاب ہے۔

ڈائی

شہباز کی قوت پرواز بھی مٹی کی ممنون کرم ہے کیوں کہ اس کے جسمانی اعضاء اسی مٹی (کل رنگ وروشنی) کی مختلف ترکیبوں سے وجود میں آئے ہیں۔ البتہ تخلیق کا اصل راز یہ ہے کہ مٹی کے اندر خالق کائنات کا امر متحرک ہے جو مٹی کو مختلف سانچوں میں ڈھال کر مختلف شکلوں میں ظاہر کر رہا ہے۔ کنکر، پتھر، پودے، مختلف قسم کے جانور اور انسان دراصل مختلف سانچے (DIES) ہیں۔

کائنات میں موجود جتنی اشیاء ہیں ان سب کی تخلیق ڈائیوں (DIES) میں ہوئی ہے۔ جس طرح چڑیا کی ڈائی میں پلاسٹک ڈال کر چڑیا بنائی جاتی ہے اور کبوتر کی ڈائی میں پلاسٹک ڈال کر کبوتر بنا لیا جاتا ہے اسی طرح قدرت کی بنائی ہوئی ڈائیوں میں مصالحہ (MATTER) ایک خاص طریقہ کار سے منتقل ہوتا رہتا ہے اور نئی نئی صورتیں وجود میں آتی رہتی ہیں۔

رُوح کا نام

ہم جب اپنے آپ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک محدود اور فنا ہونے والا ایک جسم ہے اور یہی ہماری زندگی کی پہچان ہے اور یہ جسم جو ہمیں نظر آتا ہے اس کے اجزائے ترکیبی کثافت، گندگی، تعفن اور سڑاند ہیں۔ اس سڑاند کی بنیاد اس نظریہ پر قائم ہے کہ ہر آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میں مادہ ہوں اور اس مادی دنیا کی پیدائش ہوں۔ یہ محدود نظریہ ہر آدمی کو کسی ایک مقام میں محدود کر دیتا ہے اور ہر آدمی ایک محدودیت کے تانے بانے میں خود کو گرفتار کر لیتا ہے اور اس طرح محدود اور پابند نظریے کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ زمین پر بسنے والا ہر آدمی جب اپنا تذکرہ کرتا ہے تو کہتا ہے میں مسلمان ہوں میں ہندو ہوں، میں پارسی ہوں، میں عیسائی ہوں حالانکہ روح کا کوئی نام نہیں رکھا جا سکتا۔ روشنی ہر جگہ روشنی ہے چاہے وہ عرب میں ہو، عجم میں ہو یا یورپ میں ہو یا ایشیا کے کسی حصے میں۔

صورتیں

انسانی زندگی کے تمام دور بشمول ماضی اور مستقبل لوح محفوظ پر نقش ہیں کائنات کا ہر ذرہ اس نقش کی تفصیلی تصویر ہے۔ ہر ذرے کے وجود کی گہرائی میں اس نقش کا سراغ ملتا ہے اسی طرح پتھر میں پتھر کی ساری فلم موجود ہے۔ یہ فلم پتھر کے اندر جھانکنے سے نظر آتی ہے اسی ریکارڈ یا فلم کا مشاہدہ کر کے روحانی آدمی ماضی اور مستقبل کے تمام واقعات سے مطلع ہو جاتا ہے۔ آدم کی تخلیق میں جو فارمولے کام کر رہے ہیں وہ یہ ازل سے ایک ہی پیٹرن یا طرز فکر پر قائم ہیں۔ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ان کی مظاہراتی طرزوں میں تغیر Variation تو رونما ہوتا رہتا ہے۔ لیکن بنیادوں میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ انسانی طبیعت میں تقاضے رنج و غضب، پیار جنس، وغیرہ یکساں ہیں۔ البتہ ہر دور میں اس کی مظاہراتی صورتیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔

خیر و شر

اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی نیابت عطا فرمائی تو فرشتوں نے عرض کیا کہ یہ زمین پر فساد پھیلائے گا۔ یہ بتانے کے لئے آدم کے اندر شر اور فساد کے ساتھ خیر و فلاح۔کا سمندر بھی موجزن ہے۔اللہ نے آدم سے کہا کہ ہماری تخلیقی صفات بیان کرو۔ جب آدم نے تخلیقی صفات اور تخلیق میں کام کرنے والے فارمولے (اسمائے الٰہیہ) بیان کئے تو فرشتے برملا پکار اٹھے۔ ''پاک اور مقدس ہے آپ کی ذات ہم کچھ نہیں جانتے مگر جس قدر آپ نے ہمیں علم بخش دیا ہے، بے شک وشبہ آپ کی ذات علیم و حکیم ہے۔'' تفکر کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ فرشتوں نے جو کچھ کہا اللہ نے اس کی تردید نہیں کی۔ بات کچھ یوں بنی کہ آدم کی اولاد کو جب تک اللہ کی صفات کا علم منتقل نہیں ہوتا وہ سرتاپا شر اور فساد ہے اور تخلیق کا علم منتقل ہونے کے بعد سراپا خیر ہے۔

سرکل

جن حواس سے ہم کشش ثقل میں مقید چیزوں کو دیکھتے ہیں اس کا نام شعور ہے اور جن حواس میں ہم کشش ثقل سے آزاد ہو جاتے ہیں ان کا نام لا شعور ہے۔ شعور اور لا شعور دونوں لہروں پر قیام پذیر ہیں۔ شعوری حواس میں کام کرنے والی لہریں مثلث (Triangle)ہوتی ہیں اور لاشعوری حواس میں کام کرنے والی لہریں دائرہ(Circle)ہوتی ہیں۔ شعوری حواس میں ہم ٹائم اینڈ سپیس میں بند ہوتے ہیں اور لا شعوری حواس ہمیں ٹائم اسپیس سے آزاد کر دیتے ہیں۔ یہ دونوں حواس ایک ورق کی طرح ہیں ورق کے دونوں صفحات پر ایک ہی تحریر لکھی ہوئی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ورق کے ایک صفحے پر عبارت ہمیں روشن اور واضح نظر آتی ہے اور ورق کے دوسرے صفحے پر دھندلی اور غیر واضح نظر آتی ہے۔

یقین

غیب مظاہر سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ غیب کو سمجھنا بہت ضروری ہے مذہب یا دین جس چیز کو کہتے ہیں وہ دراصل غیب کی نشاندہی ہے مذہب میں مظاہر کا تذکرہ ضرور آتا ہے۔ لیکن اس کو کسی بھی دور میں اولیت حاصل نہیں ہوئی، اس لئے کہ مادی ہر چیز فنا کے راستے پر گامزن ہے اور جبکہ خود راستہ بھی فانی ہے ایک خدا کا پرستار جس طرح غیب پر ایمان رکھتا ہے بالکل اسی طرح ایک مادیت کا پرستاد مادیت کی دنیا پر یقین رکھتا ہے۔ نہ خدا پرست کو غیب کی دنیا پر ایمان رکھے بغیر چارہ ہے اور نہ مادیت پرست کو مادے پر ایمان لائے بغیر مفر ہے۔ دونوں اپنی ایک طرز رکھتے ہیں۔ اور ان میں یہ چیز اس طرح مشترک ہے کہ اس طرز پر ان کا ایمان اور ایقان ہوتا ہے اسی ایمان اور ایقان کو یہ زندگی کہتے ہیں کوئی زندگی ایمان اور ایقان کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ وہ زندگی خدا پرست کی زندگی ہو یا مادہ پرست کی ہو۔

ہوائی کرہ

وہم کیا ہے ؟خیال کہاں سے آتا ہے ؟ یہ بات غور طلب ہے اگر ان سوالوں کو نظر انداز کر دیں تو کثیر حقائق مخفی رہ جائیں گے اور حقائق کی زنجیر جس کی سوفی صد کڑیاں اس مسئلے کے سمجھنے پر منحصر ہیں انجانی رہ جائیں گی۔جب ذہن میں کوئی خیال آتا ہے تو ذہن میں اس کا کوئی کائناتی سبب ضرور ہوتا ہے۔خیال کا آنا اس بات کی دلیل ہے کہ ذہن کے پردوں میں حرکت ہوئی ہے یہ حرکت ذہن کی ذاتی حرکت نہیں ہوتی۔اس کا تعلق کائنات کے ان تاروں سے ہے جو کائنات کے نظام کو ایک خاص ترتیب میں حرکت دیتے ہیں۔مثلاً جب ہوا کا کوئی تیز جھونکا آتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کرہ ہوائی میں کہیں کوئی تغیر پیدا ہوا ہے۔اسی طرح جب انسان کے ذہن میں کوئی چیز وارد ہوتی ہے تو اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ انسان کے لاشعور میں کوئی حرکت واقع ہوئی ہے ۔اس کا سمجھنا خود انسانی ذہن کی تلاش پر ہے۔

ورائے لاشعور

دنیامیں رائج علوم کی اگر درجہ بندی کی جائے تو ہم انہیں تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔طبیعات(PHYSICS)،نفسیات (PSYCHOLOGY)اور ما بعدُ النفسیات (PARA-PSYCHOLOGY)علم طبیعات کے ضمن میں زندگی کے وہ اعمال و اشغال نظر آتے ہیں جن سے کوئی آدمی محدود دائرے میں مستفیض ہوتا ہے۔یعنی اس سوچ کا محور مادہ (MATTER)ہوتاہے اوراس مادی دنیاکے اس خول سے وہ باہر نہیں نکل سکتا نفسیات وہ علم ہے جو طبیعات کے پس پردہ کام کرتاہے،خیالات تصورات اور احساسات کاتانابانااس علم سے مرکب ہے۔علم مابعدالنفسیات علم کی اس بساط کانام ہے جس کو روحانیت میں مصدر اطلاعات(SOURCE OF INFORMATION)کہا جاتاہے،علمی حیثیت میں یہ ایک ایسی ایجنسی ہے جو لاشعور کے پس پردہ کام کرتی ہے۔

ورثہ

کہا جاتا ہے کہ انسانوں کو زندہ رہنے کے لئے کسی نہ کسی عقیدے کا پابند رہنا ضروری ہے گردو پیش کے حالات اور ماں باپ کی تربیت سے جس قسم کے عقائد بچے کے ذہن میں پرورش پا جاتے ہیں وہی بچے کا مذہب بن جاتا ہے تمام نظریات کی بنیاد اسی اصول پر کار فرما ہے اس کے بغیر تاثرات واردات اور کیفیات کو عقیدے کے سلسلے میں کوئی جگہ نہیں ملتی ہمارے تمام فلسفے اور تمام طبعی سائنس اسی کلیہ پر قائم ہے لیکن ہم جب انسان کی ذہنی اور اندرونی زندگی پر غور کرتے ہیں تو ہمیں ذاتی اور باطنی واردات اور کیفیات میں نمایاں فرق نظر آتا ہے اور ہم یہ اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ زندگی کا بہت تھوڑا سا حصہ عقلیت کی گرفت میں آتا ہے جو کچھ ہے سب بچپن میں سُنی ہوئی دیکھی ہوئی والدین سے ورثہ میں ملی ہوئی کیفیات کا ثمر ہے۔

نور

لوح محفوظ سے ایک نور آتا ہے جو پوری کائنات میں پھیلتا ہے۔اس میں ہر قسم کی اطلاعات ہوتی ہیں جو کائنات کے ذرے ذرے کو ملتی ہیں۔ان اطلاعات میں چکھنا، سونگھنا، سننا، دیکھنا، محسوس کرنا خیال کرنا وہم و گمان وغیرہ اور زندگی کا ہر شعبہ ،ہر حرکت ،ہر کیفیت کامل طرزوں کے ساتھ موجود ہوتی ہے ان کو صحیح حالت میں وصول کرنے کا طریقہ صرف ایک ہے۔انسان ہر معاملے میں ہر حالت میں کامل استغنار کھتا ہو مسخ کرنے والی اس کی اپنی مصلحتیں ہوتی ہیں۔جہاں مصلحت نہیں ہے وہاں استغنا ہے۔غیر جانب داری ہے اور اللہ کا شعار ہے۔روحانیت کے راستے پر سفر کرنے والے سالکین کو یہ بات یادر کھنی چاہیئے کہ روحانیت میں اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا مقصد، کوئی دوسری غایت شریک کرنا کفر ہے۔

نباتات و جمادات

قلندر باباؒ اولیاءؒ فرماتے ہیں :۔

ساری کائنات میں ایک ہی لاشعور کارفرما ہے۔اس کے ذریعے غیب و شہود کی ہر لہر دوسری لہر کے معنی سمجھتی ہے چاہے یہ دونوں لہریں کائنات کے دو کناروں پر واقع ہوں۔ غیب و شہود کی فراست اور معنویت کائنات کی رگ جان ہے۔ ہم اس رگ جاں میں جو خود بھی ہماری رگ جاں بھی ہے تفکر اور توجہ کر کے اپنے سیّارے اور دوسرے سیاروں کے آثار و احوال کا انکشاف کر سکتے ہیں ۔انسانوں اور حیوانوں کے تصورات جنات اور فرشتوں کی حرکات و سکنات ،نباتات اور جمادات کی اندرونی تحریکات معلوم کر سکتے ہیں۔ مسلسل توجہ دینے سے ذہن کائناتی لاشعور میں تحلیل ہو جاتا ہے اور ہمارا سراپا کا معین پرت انا کی گرفت سے آزاد ہو کر ضرورت کے مطابق ہر چیز دیکھتا، سمجھتا اور شعور میں محفوظ کر دیتا ہے۔

نسیمِ سحر

فضاؤں میں رنگینی ،زندگی کو تحفظ دینے والی روشنیاں ،طرح طرح کی گیسیں ،نیلگوں آسمان کی بساط پر ستاروں کی انجمنیں ، رات کی تاریکی میں روشن چاند ،دن کے اجالے کو جِلا بخشنے والا سورج ،ہوا معطر خراماں نسیم سحر ،درختوں کی نغمہ سرائی ،چڑیوں کی چہکار ،بلبل کی صدا ،کوئل کی کوک کس نے تخلیق کی ہے ؟سیلابوں کی گزرگاہیں بجلی کی گرج اور چمک کی راہیں کس نے مقرر کیں ؟کیا تو بادلوں کو پکار سکتا ہے کہ وہ تجھ پر مینہ برسائیں کیا تو بجلیوں کو اپنے حضور بلا سکتا ہے ؟دل میں سمجھ اور فہم کس نے عطا کی ہے اور ہرن کو آزادی کس نے دی ؟اگر ان باتوں کو رفعت و عظمت سے تعبیر کرکے اپنی بضاعتی کہا جائے تو خود ہمارے جسم میں ایسی بے شمار نشانیاں موجود ہیں جن سے ہم ہرگز ہرگز صرف نظر نہیں کر سکتے کہ ساری کائنات عقل والوں کے لئے ایک نشانی ہے۔ ہے کوئی سمجھنے والا ؟

نور و نار

جب سے ہوش سنبھالا ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ ہم صرف دعاؤں کے ذریعے اپنے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ہم عمومی اور خصوصی دعائیں بھی مانگتے ہیں آدھی صدی یا دو تہائی سے زیادہ کا زمانہ گزر چکا ہے میں نے من حیث القوم کافروں پر فتح اور کامرانی کی کوئی دعا قبول ہوتے نہیں دیکھی آخر ایسا کیوں ہے ؟دعائیں اس لئے قبول نہیں ہوتیں کہ ان کے ساتھ عمل نہیں ہے اور تخلیق کا راز یہ ہے کہ عمل بجائے خود ایک تخلیق ہے۔جب سے ہم نے عمل کو ترک کیا ہے اور صرف دعاؤں کا سہارا لینا شروع کیا ہے ہمارے اندر سے نور نکل گیا اور نار نے ہمیں اپنا لقمہ تر سمجھ لیا ہے۔اے واعظو! اے منبر نشینو! اے قوم کے دانشورو! برا ئے خدا سوتی قوم کو جگاؤ اور بتاؤ کے بے عمل قومیں مفلوج، مغضوب اور غلام بن جاتی ہیں۔

نماز

قرآن پاک میں جتنی جگہ نماز کا تذکرہ ہوا ہے وہاں قائم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ یہ نہیں کہا ہے کہ نماز پڑھو۔ نماز پڑھنے اور قائم کرنے میں فرق ہے۔ ''نماز خواندان'' آتش پرستوں کے یہاں رائج ہے۔ جب وہ اپنی کتاب "زندواوستا" پڑھ کر آگ کے سامنے جھکتے ہیں اس کو نماز خواندان یعنی نماز پڑھنا کہتے ہیں۔ عربی سے جب اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا تو سہو ہوا کہ ''صلوٰۃ قائم کرو'' کا ترجمہ ''نماز پڑھنا'' کردیا گیا حالانکہ قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق صلوٰۃ کا ترجمہ صلوٰۃ ہی ہونا چاہئے تھا جس طرح کلمہ طیبہ کا ترجمہ کلمہ طیبہ ہے، اللہ کا ترجمہ اللہ ہے، رحمان کا ترجمہ رحمان ہے، پیغمبر کا ترجمہ پیغمبر ہے،، رسول کا ترجمہ رسول ہے، قرآن کے ارشاد کے مطابق ''قائم کرو صلوٰۃ'' اور اردو ترجمے کے مطابق ''نماز پڑھو'' کے معنی و مفہوم میں بہت بڑا فرق واقع ہو گیا ہے۔

محاسبہ

’’سود لینے والے، سود دینے والے اور سودی معیشت میں زندہ رہنے والے اللہ کے ایسے دشمن ہیں جو اللہ کے ساتھ حالت جنگ میں ہیں۔‘‘

تمام مسلمان نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ روزے بھی رکھتے ہیں۔ حج بھی کرتے ہیں۔ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں عقل دست کو بہ گریباں ہے کہ اللہ کے دشمنوں کی نماز، نماز کس طرح ہو گی۔ اللہ کے ساتھ حالت جنگ میں رہتے ہوئے روزے کی برکتیں اور سعادتیں کیسے حاصل ہونگی۔ جن لوگوں کو اللہ نے اپنا دشمن قرار دے دیا ہے وہ کس منہ سے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور خانہ کعبہ کے انوار و تجلیات سے اللہ کے دشمن کیوں کر منور ہو سکتے ہیں؟ تاریخ ایک عظیم گواہ ہے کہ جس قوم نے اللہ کے بنائے ہوئے قانون کا مذاق اڑایا اللہ نے اس قوم کو ذلیل و پست کر دیا کیا ابھی بھی وقت نہیں آیا کہ ہم اپنے ظاہر اور باطن کا محاسبہ کریں؟

مادی جسم

ظاہری جسم کی طرح انسان کے اوپر ایک اور جسم ہے جو گوشت کے جسم کے اوپر ہمہ وقت موجود رہتا ہے۔اس جسم کو جسم مثالی (AURA) کہتے ہیں۔مادی گوشت پوست کادار مدار اسی جسم کے اوپر ہے اور یہ جسم روشنیوں کا بنا ہوا ہے روشنیوں کا بنا ہوا جسم صحت مند ہے تو گوشت پوست کا جسم بھی صحت مند رہتا ہے۔زندگی کے اندر جتنے تقاضے موجود ہیں وہ تقاضے گوشت کے جسم میں پیدا نہیں ہوتے بلکہ روشنیوں سے بنے ہوئے جسم میں پیدا ہوتے ہیں اور وہاں سے منتقل ہو کر گوشت پوست کے جسم میں منتقل ہو کر گوشت پوست کے جسم پر ظاہر ہوتے ہیں۔جب آدمی روٹی کھاتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مادی جسم روٹی کھا رہا ہے۔لیکن ایسا نہیں ہے جب تک جسم مثالی کے اندر بھوک کا تقاضا پیدا نہیں ہو گا اور جسم مثالی گوشت پوست کے جسم کو بھوک یا پیاس سے مطلع نہیں کرے گا آدمی روٹی نہیں کھا سکتا۔

مستقبل

خوابوں کے ذریعے انسان کوان حادثات سے محفوظ رہنے کے لئے اشارات ملتے رہتے ہیں جو مستقبل میں پیش آنے والے ہوتے ہیں اور ان احتیاطی تدابیر کو اختیار کر کے ان حادثات سے محفوظ رہا جاسکتا ہے بعض اوقات غیر ارادی طور پر بیداری میں انسان کی چھٹی حس آنے والے حادثات سے خبر دار کر دیتی ہے اس قسم کے بہت سارے واقعات لوگوں کے ساتھ پیش آتے ہیں ان سب کی توجیہہ ایک ہی ہے کہ ذہن ایک لمحے کے لئے زمان شعور سے نکل کر لاشعور کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے اور آنے والے واقعات کو محسوس کر لیتا ہے لیکن یہ چیز غیر اداری طور پر واقع ہوتی ہے اگر اس وار دات پر مراقبہ کے ذریعے غلبہ حاصل کر کے ارادے کے ساتھ وابستہ کر لیا جائے تو بیداری کی حالت میں بھی مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

متقی

هُدًی لِلْمُتَّقِین o الَّذِ یْنَ یُؤْ مِنُوْنَ بِالغِیْبِ

مفہوم: یہ کتاب ان لوگوں کو روشنی دکھاتی ہے جو اللہ کے بارے میں ذوق رکھتے ہیں۔(سورہ بقرہ)

غیب سے مراد وہ حقائق ہیں جو انسان کے مشاہدات سے باہر ہیں۔وہ سب کے سب اللہ کی معرفت سے تعلق رکھتے ہیں۔ایمان سے مراد یقین،یقین وہ حقیقت ہے جو تلاش میں سر گرداں رہتی ہیں اس لئے نہیں کہ اسے کوئی معاوضہ ملے گا بلکہ صرف اس لئے کہ طبیعت کا تقاضہ پورا کرے۔ متقی سے مراد وہ انسان ہے جو سمجھنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتا ہے،ساتھ ہی بد گمانی کو راہ نہیں دیتا،وہ اللہ کے معاملے میں اتنا محتاط ہوتا ہے کہ کائنات کا کوئی روپ اسے دھوکا نہیں دے سکتا۔وہ اللہ کو بالکل الگ سے پہچانتا ہے اور اللہ کے کاموں کو بالکل الگ سے جانتا ہے۔

کتاب المبین

اور آپ کیا سمجھے اعلیٰ زندگی کیا ہے اور اسفل زندگی کیا ہے۔ یہ ایک ریکارڈ ہے۔ علم حقیقت یا روحانی علم ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ اگر ہم خود سے اور اپنے خالق سے متعارف ہونا چاہتے ہیں تو ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم اپنے ماضی میں جھانکیں۔ ماں کے پیٹ میں آنے سے پہلے بچہ عالم برزخ میں تھا۔ عالم برزخ لوح محفوظ کا ایک عکس ہے۔ لوح محفوظ کتاب المبین کا ایک ورق ہے۔ کتاب المبین عالم ارواح ہے اور عالم ارواح وہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب "کن" کہا تھا تو اس کا ظہور ہو گیا تھا مرنے کے بعد کی زندگی دراصل اسی عالم ارواح کی طرف پیش قدمی ہے۔ نوع انسان کے جو افراد اس زندگی کو دیکھنے، سمجھنے اور تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ان کو ایسی نظر اور بصیرت مل جاتی ہے جو اس عالم کو دیکھ لیتی ہے، سمجھ لیتی ہے۔

قلندر شعور

زندگی گزارنے کی ایک طرز یہ ہے کہ آدم زاد ہمہ وقت، ہر آن اور ہر لمحہ پابند حواس کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔ زندگی گزارنے کی دوسری طرز یہ ہے کہ آدم زاد پابند حواس کے ساتھ بھی آزاد زندگی گزارتا ہے۔ حزن اور ملال کے تاثرات اسے متاثر نہیں کرتے۔ زمین کے اوپر وسائل کی چکاچوند اس کی آنکھوں کو خیرہ نہیں کرتی۔ اس لئے کہ زمین سے دور بہت دور اعلیٰ زمین ''جنت'' اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہے جس طرح مادیت میں قید وہ یہاں روٹی کھاتا ہے اسی طرح مادیت سے آزاد ہو کر جنت کے باغات سے انگور کے خوشے حاصل کرنا اس کے لئے آسان ہے۔ جب کوئی شخص خود شناسی میں مکمل ہو جاتا ہے تو اس کے اوپر زندگی کی نئی راہ نئی طرز اور نیا اسلوب منکشف ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو قلندر شعور کا حامل مرد آزاد کہا جاتا ہے۔

قینچی

بُری باتوں اور گالم گلوچ سے زبان گندی نہ کیجئے، چغلی نہ کھایئے، چغلی کرنا ایسا ہے کہ جیسے کوئی بھائی اپنے بھائی کا گوشت کھاتا ہو دوسروں کی نقلیں نہ اُتارئے اس عمل سے دماغ میں کثافت اور تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ شکایتیں نہ کیجئے کہ شکایت محبت کی قینچی ہے۔ کسی کی ہنسی نہ اڑایئے کہ اس سے آدمی احساس برتری میں مبتلا ہو جاتا ہے اور احساس برتری میں آدمی کے لئے ایسی ہلاکت ہے جس ہلاکت میں ابلیس مبتلا ہے اپنی بڑائی نہ جتایئے۔ اس عمل سے اچھے لوگ آپ سے دور ہو جائیں گے۔ خوشامد ہی اور چاپلوسی کرنے والے منافق آپ کا گھراؤ کریں گے۔ اور ایک روز آپ عرش سے فرش پر گر جائیں گے۔ فقرے نہ کسئیے، کسی پر طنز نہ کیجیے، بات بات پر قسم نہ کھایئے۔ یہ عمل آپ کے کردار کو گہنادے گا۔ اور آپ لوگوں کی محبت سے محروم ہو جائیں گے۔

قدرت کے راز

ایمان ایک ایسا جوہر ہے جس کی چاشنی اور حلاوت دنیا کی ہر چیز سے زیادہ ہے مگر یہ حلاوت چاشنی اسی بندے کو حاصل ہوتی ہے جو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اللہ کو محبوب رکھتا ہے۔ وہ بندہ جو اللہ سے زیادہ دوسری چیزوں کو عزیز رکھتا ہے، اللہ کا سچا بندہ نہیں ہے۔ جب ہم محبت کا تذکرہ کرتے ہیں تو محبت ہم سے کچھ تقاضے کرتی ہے اور وہ تقاضہ یہ ہے کہ محبت ہمیشہ قربانی چاہتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ محبت ایک ایسی قلبی کیفیت کا نام ہے جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتی۔ لیکن انسان کا عمل اس بات کی شہادت فراہم کرتا ہے کہ اس کے اندر محبت کا سمندر موجزن ہے یا نہیں۔ ایک آدمی زبانی طور پر اگر اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ میں اپنے محبوب سے محبت کرتا ہوں لیکن جب ایثار اور قربانی کا وقت آتا ہے تو وہ اپنے قول میں سچا ثابت نہیں ہوتا۔ بلاشبہ اس کی محبت قابل تسلیم نہیں سمجھی جائے گی۔

فریبِ نظر

موجودہ سائنس تلاش اور جستجو کے راستے پر چل کر اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ پوری کائنات ایک ہی قوت کا مظاہرہ ہے۔ یہ انکشاف نیا نہیں ہے ہمارے اسلاف میں کتنے ہی لوگ اس بات کو بیان کر چکے ہیں کہ آدمی کی تصویر مختلف النوّع خیالات کے رنگوں سے مرکب ہے خیال ہمیں مسرت آگیں زندگی سے ہم کنار کرتا ہے اور یہی خیال ہمیں غم ناک زندگی سے آشنا کر دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سائنس ترقی کے عروج پر پہنچ گئی ہے۔ لیکن آج کے سائنس دان وہی کہہ رہے ہیں جو ہزاروں سال پہلے روحانیت کے علم بردار کہہ چکے ہیں اور جس کا پرچار آج بھی ان کے پیروکار حضرات کا مشن ہے وہ یہ ہے کہ زندگی کا قیام مادے پر نہیں لہروں پر ہے ۔اور لہریں خیالات کا جامہ پہن کر ہر شئے کا وجود بن رہی ہیں۔مادے سے بنی ہوئی تصویروں میں ہمیں جو کچھ نظر آتا ہے وہ فریب نظر کے سوا کچھ نہیں ہے۔

فن

ہم بحیثیت بزرگ بار بار اعلان کرتے ہیں کہ نوجوان نسل کے ذہنوں سے بزرگوں کا احترام اٹھ گیا ہے ان کے اندر وہ اخوت و حیاء نہیں رہی جس کے اوپر مثالی معاشرہ تعمیر کیا جاتا ہے۔خدارا اپنے گریبان میں منہ ڈالئے یہ بھی دیکھئے کہ ہمارے قول وفعل میں کتنا تضاد واقع ہو چکا ہے۔اس کے باجود ہم اپنا اختیار استعمال کر کے اس منافقانہ زندگی کو بدل سکتے ہیں،ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں ۔ہم خود نہیں کرتے اس کی توقع اپنی اولاد سے کیوں کرتے ہیں۔آج اگر ایک باپ جھوٹ کی ملمع شدہ زندگی میں قید ہے تو وہ اولاد سے کیوں کر توقع کر سکتا ہے کہ وہ سچی اور حق آشنا زندگی گزارے گا۔بچے ماں کے پیٹ سے قاتل،چور،ذخیرہ اندوز،منافق ،اسمگلر پیدا نہیں ہوتے۔انہوں نے اپنے بزرگوں کو جو کچھ کرتے دیکھا ہے ترقی دے کر اسے فن بنا دیا ہے۔

پردہ

.زندگی کا قیام سانس کے اوپر ہے۔جب تک سانس کی آمد و شد جاری ہے زندگی رواں دواں ہے اور جب سانس میں تعطل واقع ہو جاتا ہے تو مظاہراتی اعتبار سے زندگی ختم ہو جاتی ہے۔سانس اندر جاتا ہے اور باہر آتا ہے،روحانی نقطہ نظر سے سانس کا اندر جانا انسان کو اس کی رُوح یا(Inner)انر کے قریب کر دیتا ہے اور سانس کا باہر آنا انسان کو اس کی روح سے عارضی طور پر دور کر دیتا ہے جب ہم سانس اندر لیتے ہیں تو ازل سے قریب تر ہو جاتے ہیں اور جب ہم سانس باہر نکالتے ہیں تو خود کو ازل سے دور محسوس کر تے ہیں یعنی سانس کا باہر آنا مادی اور ازل کی زندگی کے درمیان ایک پردہ ہے۔جب ہم سانس کو اندر روکتے ہیں تو ہمارا رشتہ ازل سے قائم ہو جاتا ہے اور جب سانس باہر نکالتے ہیں تو ہمارا رشتہ ساری دنیا سے قائم ہو جاتا ہے۔

تاثرات

کوئی چہرہ ہمارے سامنے ایسا آتا ہے کہ ہم اس چہرے کو دیکھ کر خوش ہو جاتے ہیں اور کوئی چہرہ ہمارے سامنے ایسا بھی آتا ہے کہ ہم اس چہرے میں سے نکلنے والی لہروں سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ جن لوگوں کے دل نور سے معمور ہوتے ہیں اور جن لوگوں کے دماغ میں خلوص، ایثار، محبت اور پاکیزگی اور خدمت خلق کا جذبہ ہوتا ہے ایسے لوگوں کے چہرے بھی خوش نما معصوم اور پاکیزہ ہوتے ہیں ۔ان چہروں میں ایسی مقناطیسیت ہوتی ہے کہ ہر شخص قریب ہونا چاہتا ہے۔اس کے بر عکس ایسے لوگ جو احساس گناہ اور اضطراب میں مبتلا ہیں ان کے چہروں پر خشونت، خشکی، پیوست، بے آہنگی، اور کراہت کے تاثرات پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ تاثرات دوسرے آدمی کے دل میں دور رہنے کا تقاضا پیدا کرتے ہیں۔

آگ کا ستون

ہر زمانہ میں عقل مندوں نے ہوسِ زر کی مخالفت کی ہے۔قرآن نے اسے (حطمہ) کہا ہے جس کی آگ ستون کی مانند دل پر چڑھ جاتی ہے اور آدمی کو بھسم کر ڈالتی ہے۔جو دولت حطمہ نہیں ہے وہ روشن سورج،تاروں بھری رات،چاند کی ٹھنڈک،عطر بیز ہوائیں اور ایک پر سکون دل ہے۔ایسے ہی صاحب دل لوگ جن کو اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے اور ان کی تخلیقی سوچ اللہ کی سوچ ہوتی ہے۔انہیں سب میں اللہ کا نور نظر آتا ہے۔ان کی زندگی ایسے روشن اور پاکیزہ خیالات کا مرقع ہے جن میں کوئی کثافت نہیں ہوتی۔لالچ اور گمراہی کے عقوبت خانوں کے دروازے ان کے اوپر بند ہو جاتے ہیں۔ان کی زندگی میں ایسی حلاوت ہوتی ہے جیسی حلاوت شیر خوار بچے کو ماں کی گود میں ملتی ہے۔

غلامی

جن قوموں سے ہم مرعوب ہیں اور جن قوموں کے ہم دست نگر ہیں ان کی طرز فکر کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سورج کی طرح روشن ہے کہ سائنس کی ساری ترقی کا زور اس بات پر ہے کہ ایک قوم اقتدار حاصل کرے اور ساری نوع انسانی اس کی غلام بن جائے یا ایجادات سے اتنے مالی وسائل پیدا کئے جائیں کہ ایک قوم یا ایک مخصوص ملک مالدار ہو جائے اور نوع انسانی غریب اور مفلوک الحال بن جائے کیوں کہ اس ترقی میں نوع انسانی کی فلاح مضمر نہیں ہے۔اس لئے یہ ساری ترقی نوع انسانی کے لئے اور خود ان قوموں کے لئے جنہوں نے جدوجہد اور کوشش کے بعد نئی نئی ایجادات کی ہیں۔مصیبت اور پریشانی بن گئی ہے۔مصیبت اور پریشانی ایک روز اد بار بن کر زمین کو جہنم بنادے گی۔

خاندان

پانی کا قطرہ سمندر سے اٹھا تو بادل بن گیا۔ وہاں سے ریگستانوں میں ٹپکا تو دوبارہ فضاء میں اڑ گیا۔ باغ میں برسا تو اوس بن کر پھلوں میں جا پہنچا وہاں سے پیٹ میں آیا اور یہاں آیا تو جزو جسم بن کر قائم رہا یا جسم میں سے پھر باہر نکل گیا اور اگر دوبارہ سمندر میں جائے گا تو گویا وطن پہنچ گیا۔ الغرض قطرہ آب کسی نہ کسی رنگ میں موجود رہتا ہے۔ اگر پانی مرکب ہونے کے باوجود زندہ رہتا ہے تو روح کو جو بسیط ہے بدرجہ اولی باقی رہنا چاہئے۔ جس طرح آفتابی شعاعیں پیاسے ریگستان میں ٹپکے ہوئے قطروں کو ڈھونڈ کر آسمانی بلندیوں کی طرف واپس لے جاتی ہیں اسی طرح زندگی کے یہ تمام قطرے جو اجسام انسان کے خاک دانوں میں ٹپک پڑتے ہیں لا مکانی وسعتوں میں دوبارہ پہنچ جاتے ہیں۔

خلوص

حضور اکرام ﷺ کا ارشاد ہے کہ خدا کے بندوں میں کچھ ایسے ہیں جو نبی اور شہید تو نہیں ہیں لیکن قیامت کے روز خدا ان کو ایسے مرتبوں پر سرفراز فرمائے گا کہ انبیاء اور شہدا بھی ان کے مرتبوں پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے پوچھا وہ کون خوش نصیب ہوں گے یارسول اللہ ﷺ!'' آپ ﷺ نے فرمایا'' یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے محض خدا کے لئے محبت کرتے تھے۔ یہ آپس میں رشتہ دار تھے اور نہ ان کے درمیان کوئی لین دین تھا۔ خدا کی قسم! قیامت کے روز ان کے چہرے نور سے جگمگا رہے ہوں گے۔ جب سارے لوگ خوف سے کانپ رہے ہوں گے تو انہیں کوئی خوف نہ ہوگا اور جب سارے لوگ غم میں مبتلا ہوں گے اس وقت انہیں قطعاً کوئی غم نہ ہوگا۔''

ترقی یافتہ دور

آج کی ترقی یافتہ دنیا میں بے شمار ایجادات اور لا متناہی آرام و آسائش کے باوجود ہر شخص بے سکون، پریشان اور عدم تحفظ کا شکار ہے ۔سائنس کیوں کہ MATTER پر یقین رکھتی ہے۔اور مادہ یا MATTER عارضی اور فکشن ہے اس لئے سائنس کی ہر ترقی ،ہر ایجاد اور آرام وّآسائش کے تمام وسائل عارضی اور فنا ہو جانے والے ہیں۔ جس شئے کی بنیاد ہی ٹوٹ پھوٹ اور فنا ہو اس سے کبھی حقیقی مسرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ مذہب اور لا مذہب میں یہی بنیادی فرق ہے کہ لا مذہبیت انسان کے اندر شکوک و شبہات ،وسوسے اور غیر یقینی احساسات کو جنم دیتی ہے۔ جبکہ مذہب تمام احساسات ،خیالات ، تصورات اور زندگی کے اعمال و حرکات کو قائم بالذات اور مستقل ہستی سے وابستہ کر دیتا ہے۔

سعید اور شقی

اے واعظ ! میں جس آقا کا غلام ہوں ان کا ارشاد ہے ''قلم لکھ کر خشک ہو گیا۔''آج میری پیشانی پر جو قلم زندگی کی رقصاں ہے وہ میری پیدائش سے پہلے ہی ازل میں بن گئی تھی اور یہی میری تقدیر ہے اے واعظ ! تیرے واعظ نصیحت کا میرے اوپر کیا اثر ہو گا۔ تو خود ازل کی کی لکھی ہوئی تحریر ہے۔یہی سب بادہ و جام کی باتیں بھی ازل میں لکھی جا چکی ہیں۔ یہ شراب (زندگی)اور یہ جام (خاکی لباس سے مزین جسم قدرت کی ایسی لکیر ہے جسے کوئی نہیں بدل سکتا۔)اے واعظ ! یہ سعادت ازلی سعادت مندوں کو میسر آتی ہے۔ازلی شقی اس کے قُرب سے محروم رہتے ہیں۔ بالا آخر وقت آئے گا کہ یہ لکیریں (لہریں)منتشر ہو جائیں گی گراویٹی(GRAVITY)کا عمل ختم ہو جائے گا اور جسم تحلیل ہو جائے گا۔

ھر جائی

رسول اللہ ﷺ نے کبھی دولت جمع نہیں کی حضورؐ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کا عمل یہ تھا کہ ایران وروم کی دولت کے انبار ان کے سامنے تھے۔ لیکن یہ قدسی نفس حضرات پچیس لاکھ مربع میل قلمرو پر حکومت کرنے کے باوجود مزدوری کر کے بچوں کا پیٹ پالتے تھے اور مزدوری سے جو کچھ بچتا تھا وہ خیرات کر دیتے تھے۔ دنیا میں دولت سے زیادہ بے وفا کوئی چیز نہیں ہے۔

دولت نے کبھی کسی کے ساتھ وفا نہیں کی دولت ہر جائی ہے دولت ایک ایسا بزدلانہ تشخص ہے جو دولت کو پوجتا ہے۔ دولت اس کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ لیکن جو بندہ دولت کی تحقیر کرتا ہے۔ سر پر رکھنے کے بجائے دولت کو پیروں کی خاک سمجھتا ہے دولت اس کے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہے۔

ہلاکت

آج کے دور کو ترقی کی معراج کا دور کہا جاتا ہے۔اس معراج کا تجزیہ کرنے سے صاف پتا چلتا ہے کہ ترقی کے معانی ظلم و ستم کا ختم نا ہونے والا لا متناہی سلسلہ ہے۔ ترقی یہ ہے کہ بھوکے ننگے انسانوں کو ترقی کا فریب دے کر ان کے اوپر اپنی علمی برتری کی دہشت بٹھادی جائے۔دھرتی ماتا اپنے بچوں کے لئے جن وسائل کو جنم دیتی ہے انہیں ہڑپ کر کے ہلاکت خیز ہتھیار بنائے جا ئیں۔ بھوکے اور افلاس زدہ لوگوں سے کھربوں ڈالر چھین کر ایٹم بم بنایا جائے جو لاکھوں آدمیوں کو ایک لمحے میں لقمہ اجل بنا کر نگل لے اور پھر اس درندگی کی تشہیر کر کے اللہ کی مخلوق کو اس قابل بھی نہ رہنے دیا جائے کہ وہ اپنی بقا کے لئے کچھ سوچ سکے اور اپنی نسل کی حفاظت کے لئے کچھ کر سکے۔

مسخ چہرے

آج ہم جانتے ہیں کہ ہم سے زیادہ ترقی یافتہ تہذیبیں اسی زمین پر ظاہر ہوئیں۔اور اس طرح معدوم ہو گئیں کہ صرف آثار باقی رہ گئے۔جب ہم ان عوامل کا کھوج لگاتے ہیں جو ان کی مکمل تباہی میں کار فرما ہیں تو ہمارے سامنے یہ بات کھل کر آتی ہے کہ جن لوگوں کا رشتہ دنیا سے مستحکم اور اپنی رُوح سے کمزور ہو گیا بالآخر ان کے اوپر حرص اور لالچ غالب آگیا۔ایسی قوموں کا مقصد زندگی صرف اور صرف دنیا کا حصول بن جاتا ہے۔اور کبھی نہ ختم ہونے والی حرص اور ہوس کی دوڑ میں پورا معاشرہ اس طرح گرفتارِ بلا ہو جاتا ہے کہ کوئی صورت باہر نکلنے کی باقی نہیں رہتی تو قومیں تباہ اور برباد کر دی جاتی ہیں یا پھر ان کے چہرے مسخ ہو جاتے ہیں۔

مایاجال

کتنی عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے ساری زندگی اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے سامان دنیا اپنے گرد اکٹھا کیا، ان کے مرنے کے بعد لوگوں نے ان کے نام بھی فراموش کر دیئے۔ دوسری طرف وہ پاکیزہ لوگ ہیں جن کے ذکر پر آج بھی پیشانیاں عقیدت و محبت کے جذبات سے جھک جاتی ہیں جب تک یہ لوگ عوام میں موجود رہے حق کی شمع بن کر فروزاں رہے اور جب پس پردہ چلے گئے تب بھی ان کا تشخص لوگوں کے سامنے موجود رہا اس لئے کہ انہوں نے ذاتی غرض اور خود پسندی کو بالائے طاق رکھ دیا تھا، مایا جال ان کو اپنی گرفت میں نہیں لے سکا۔ ان سعید رُوحوں نے یہ راز جان لیا تھا کہ خود سے گزرے بغیر خدا نہیں مل سکتا۔

ماں باپ

''اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم خدا کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔''

محسن کی شکر گزاری اور احسان مندی شرافت کا اولین تقاضا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ہمارے وجود کا محسوس سبب ''ماں باپ'' ہیں جن کی پرورش اور نگرانی میں ہم پلتے، بڑھتے اور شعور کو پہنچتے ہیں۔ اور جس غیر معمولی قربانی، بے مثال جانفشانی اور انتہائی شفقت اور ایثار سے وہ اولاد کی دیکھ بھال اور تربیت کرتے ہیں حق یہ ہے کہ ہمارا دل ان کی عقیدت واحسان مندی اور عظمت و محبت سے سر شار ہو اور ہمارے جسم کا رُواں رُواں ان کا شکر گزار ہو۔ اللہ نے اپنی شکر گزاری کے ساتھ ساتھ والدین کی شکر گزاری کی تاکید کی ہے۔

کبر و نخوت

گرجاگھر، آتش کدہ اور مسجد کا وجود یا ان میں اور ان کے ماننے والوں میں اختلاف اور واعظ کے دوزخ کے عذاب سے ڈرانے کا عمل آخر کب تک جاری رہے گا۔ اے کاش! ان لوگوں پر قدرت کے وہ راز کھل جائیں جو خالق نے اپنے خاص بندوں کو بتادیئے ہیں جن لوگوں کی پیشانی روشن تھی اور ماتھے پر سجدے کا نشان تھا ان کے چہرے چمک دمک سے معمور تھے جب انہیں مٹی میں دفن کیا گیا تو مٹی نے انہیں بھی مٹی ہی بنادیا۔ کیسے کیسے چاند اور سورج اس زمین میں دفن ہو چکے ہیں۔ ہم ان کا شمار بھی نہیں کر سکتے۔ چند دنوں کی اس عارضی دنیا میں جو آدمی کبر و نخوت کی تصویر بنا پھرتا ہے۔ بالآخر اسے بھی موت مٹی کے ذروں میں تبدیل کردے گی اور لوگ مٹی کے یہ ذرے اپنے پیروں میں روندتے پھریں گے۔

کاشت

خالق کائنات نے اس دنیا کو محبت ،خوشی ،مسرت و شادمانی اور ایثار کا گہوارہ بنایا تھااور آج بھی دنیا کی ہر شئے دیدہ بینا کو مسرت اور خوشی مہیا کرتی ہے ۔خوبصورت خوبصورت رنگ برنگ چڑیاں ،فطرت کے شاہد مناظر ،پانی کا اتار چڑھاؤ ،پہاڑوں کی بلندی ،آسمانوں کی رفعت ،پھولوں کا حسن ،درختوں کی قطاریں ،تاروں بھری رات ،روشن روشن دن ،ماں کی آنکھوں میں محبت کی چمک ،بچے کا مچلنااور کلکاری بھرنا ،بہن کی پاکیزگی ،بھائی کا اخلاص ،بیٹی کا تقدس ،باپ کی شفقت یہ سب بلاشبہ نوع انسانی کے لئے خوشی اور شادمانی کا سامان ہیں ۔ایک ماں کی طرح زمین بھی یہی چاہتی ہے کہ اس کی اولاد پُر مسرت زندگی گزارے ۔زمین کو دوزخ نہ بنا ڈالے ۔اس کے اوپر پھولوں کی بجائے انگاروں کی کاشت نہ کی جائے ۔

قانون

ایک انسان دوسرے انسان میں اپنے ادارے اور اختیار سے جذب ہو جاتا ہے لیکن سنٹی میٹر کے ہزاویں حصے کے برابر خلانہ ہونے کے باجود دونوں انسان الگ الگ رہتے ہیں۔خود کو الگ الگ محسوس کرتے ہیں قانون یہ بنا کہ مقداروں میں تعین ہی انفرادیت قائم کرتا ہے۔کوئی انسان اس تخلیقی قانون کو توڑ نہیں سکتا۔جس طرح ایک انسان ادراک رکھتا ہے اسی طرح مال وزر اور دولت بھی ادراک رکھتی ہے۔جب کوئی انسان دولت کے تشخص سے فرار اختیار کرتا ہے تو مقداروں کے قانون کے مطابق توازن برقرار رکھنے کے لئے دولت اس کے پیچھے بھاگتی ہے اور جب کوئی انسان دولت کے پیچھے بھاگتا ہے تو دولت اس کے ساتھ بے وفائی کرتی ہے اور عذاب بن کر اس کے اوپر مسلط ہو جاتی ہے۔

قیام

آبادی میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو بیمار ہونا یا مرنا چاہتا ہے اگر زندہ رہنا اختیاری ہے تو دنیا میں کوئی آدمی موت سے ہم آغوش نہ ہوتا۔ علیٰ ہذالقیاس زندگی کے بنیادی عوامل اور وہ تمام حرکات جن پر زندگی رواں دواں ہے انسان کے لئے اختیاری نہیں ہے ۔اگر ہم بنیاد پر غور کریں تو زندگی اس وقت شروع ہوتی ہے جب آدمی پیدا ہوتا ہے جب کہ پیدائش پر انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے لاکھوں سال کے طویل عرصے میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جو اپنے ارادے اور اختیار سے پیدا ہو گیا ہو۔ پیدا ہونے والا ہر فرد ایک وقت معینہ کے لئے اس دنیا میں آتا ہے اور جب وہ وقت پورا ہو جاتا ہے تو آدمی ایک سیکنڈ کے لئے بھی اس دنیا میں مزید قیام نہیں کر سکتا۔

غفلت

قرآن کہتا ہے ''زمین و آسمان میں اہل ایمان کے لئے حقائق و بصائر موجود ہیں۔'' یعنی اہل ایمان کی خصوصیت یہ ہے کہ زمین و آسمان کی حقیقتوں اور زمین و آسمان کے اندر موجود تخلیقات کے فارمولوں (EQUATION) پر ان کی گہری نظر ہوتی ہے ان کے مشاہدے کی طاقت کہکشانی نظاموں کی نقاب کشائی کرتی ہے۔ قرآن بار بار اعلان کرتا ہے کہ یہ نشانیاں ایمان والوں کے لئے ہیں، مفہوم یہ ہے کہ نشانیاں تو سب کے لئے ہیں مگر انسانوں میں صرف ایمان والے لوگ ہی اللہ کی نشانیوں، آیتوں، حکمتوں پر غور و فکر کرتے ہیں۔ غفلت اور جہالت میں ڈوبے ہوئے لوگ جو جانوروں کی طرح جیتے رہتے ہیں۔ ضدّی اور ہٹ دھرم جو ''میں نہ مانوں'' کی زندہ متحرک تصویر ہیں۔ ان کے لئے اللہ کی نشانیوں کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔

مٹی کے ذرات

ہر آدمی جو ذرا بھی شعور رکھتا ہے ہر وقت اس بات کا مشاہدہ کرتا ہے کہ زندگی کا ہر لمحہ مر رہا ہے، ایک لمحہ مرتا ہے تو دوسرا لمحہ پیدا ہوتا ہے۔ دن مرتا ہے تو رات پیدا ہوتی ہے، بچپن مرتا ہے تو لڑکپن پیدا ہوتا ہے، لڑکپن مرتا ہے تو جوانی پیدا ہوتی ہے اور جوانی مرتی ہے تو بڑھاپا پیدا ہوتا ہے اور جب بڑھاپا مرتا ہے تو خوبصورت مورتی کا ایک ایک عضو مٹی کے ذرات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ہڈیاں جس کے اوپر انسانی ڈھانچے کا دار و مدار ہے راکھ بن جاتی ہیں۔ دماغ جس پر انسانی عظمت کا دار و مدار ہے اور جس دماغ کے اوپر انسان اکڑتا ہے، دوسروں کے اوپر ظلم کرتا ہے، خود کو خدا کہنے لگتا ہے اس کو بھی مٹی کھا جاتی ہے اور مٹی کے ذرات کے بنے ہوئے اس جیسے دوسرے انسان اس دماغ کو اپنے پیروں تلے روندتے ہیں۔

علم طبعی

علم حضوری کے علاوہ کوئی علم حقیقی نہیں اس لئے کہ یہ علم الٰہی ہے انسان کا حافظہ اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ علم حضوری کی کسی ایک طرز کو بھی اپنے اندر محفوظ کر لے چنانچہ لوح محفوظ سے پھیلنے والا نور انسان کو اطلاعات فراہم کرتا ہے۔ تو اپنی غرض و مطلب برآری کے لئے نقطہ نظر سے کام لے کر ان اطلاعات کو نو سو ننانوے (۹۹۹) فی ہزار تورد کر دیتا ہے۔ ایک فی ہزار کو مسخ کر کے ،توڑ مروڑ کے حافظہ میں رکھ لیتا ہے۔ یہی مسخ شدہ اور بگڑے ہوئے خدوخال اس کے تجربات کا، مشاہدات کا، عادات و حرکات کا سانچہ بن جاتے ہیں۔ یہ ہے انسان کا تمام کارنامہ اور اس کی متعین کردہ اور فرض کردہ سمتیں فارمولے اور اصول۔ اس ہی خرافات کے بارے میں وہ بار بار یہ کہتا رہتا ہے کہ یہ ہے میرا تجربہ، یہ ہے مشاہدہ، یہ ہے علمی طبعی۔

قندیل

زندگی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ہم ایسی چیز کی تلاش میں سر گرداں رہتے ہیں۔ جس میں مسرت کا پہلو نمایاں ہو۔ چونکہ ہم غم زدہ اور پر مسرت زندگی گزارنے کے قانون سے نہ واقف ہیں اس لئے زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ ہم مسرت کی تلاش میں اکثر و بیشتر غلط سمت قدم بڑھاتے رہتے ہیں، اور ناواقفیت کی بناپر اپنے لئے ایسا راستہ منتخب کر لیتے ہیں جس میں تاریکی، بے سکونی اور پریشانیوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ وہ کون سا راستہ ہے جس راستے پر مسرت کی روشن قندیلیں اپنی روشنی بکھیر رہی ہیں۔ وہ کونسی فضاء ہے جس میں شبنم موتی بن جاتی ہے۔ وہ کون سا ماحول ہے جو معطر اور پر سکون ہے۔ وہ کونسی خوشبو ہے جس سے شعور روشن ہو جاتا ہے۔

بے ثباتی

دنیا میں ہر وقت اللہ کے ایسے بندے موجود رہتے ہیں جو شہود اور باطنی نعمتوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔جب وہ دنیا میں اکثریت کے عمل کا تجزیہ کرتے ہیں تو انہیں یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ لوگ چندروزہ زندگی کو اصل زندگی سمجھے ہوئے ہیں۔لیکن جلد ہی اس کی وجہ بھی ان کی نظر میں آجاتی ہے اور وہ بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں کہ سچ تو یہ ہے کہ بےخودی خودی سے اور موت زندگی سے اعلیٰ تر ہے لیکن دنیا کے باسیوں پر عدم کا یہ راز روشن نہیں ہے اصل زندگی تو وہی ہے جو مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے۔اس مخفی راز کی وجہ سے ہی دنیا میں آدم کی دلچسپی قائم ہے۔اگر آدم زاد پر دنیا کی بے ثباتی روشن ہو جائے تو عارضی زندگی اور دنیا سے دل اُچاٹ ہو جائے گا۔

آزاد طرز فکر

ہر انسان کے اندر سطحی اور گہری سوچ موجود ہے تفکر جب گہرا ہوتا ہے تو بجز اس کے کوئی بات سامنے نہیں آتی کہ ہر آدمی جنت اور دوزخ ساتھ لئے پھرتا ہے اور اس کا تعلق طرز فکر سے ہے۔ طرز فکر آزاد اور انبیاء کے مطابق ہے تو آدمی کی ساری زندگی جنت ہے ۔طرز فکر میں ابلیسیت ہے تو تمام زندگی دوزخ ہے۔

ٹوٹ پھوٹ

نسلی اعتبار سے ہمارے بچے جس مذہب کے پیروکار ہیں انہیں اس مذہب میں سکون نہیں ملتا تو وہ بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ سکون ایک ایسی حقیقت ہے جس کے ساتھ پوری کائنات بندھی ہوئی ہے حقیقت فکشن نہیں ہوتی۔اب دیکھنا یہ ہے کہ بندے کے اندر وہ کون سی طاقت ہے جو ٹوٹ پھوٹ، گھٹنے بڑھنے اور فنا ہونے سے محفوظ ہے وہ طاقت وہ ہستی ہر بندے کی اس کی اپنی روح ہے۔نسلی اعتبار سے اگر ہم اپنے بچوں کو ان کے اندر موجود روح سے آشنا کر دیں تو وہ خدا کے دوست بن جائیں گے۔زندگی کی ذہنی جسمانی اور روحانی تمام مسرتیں ان کو مل جائیں گی۔

لہولہو

شگوفے اور خار، پھول اور کانٹے اپنی ذات میں ایک محسوساتی ردِّ عمل ہیں۔ رد عمل طرز فکر کی نشاندہی کرتا ہے۔ طرز فکر میں ایمان ،یقین، مشاہدہ موجود ہے تو آدم کی اولاد سکون آشنا ہے۔ طرز فکر میں بے یقینی شک اور کور چشمی ہے تو زندگی کانٹوں بھری ایک سیج ہے۔ ہر کروٹ لہولہو اور ہر سانس فنا ہے۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار

دنیا میں جتنے عظیم لوگ پیدا ہوئے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی مسئلہ سے دوچار رہے ہیں لیکن وہ اس نقطے سے باخبر ہوتے ہیں کہ مسائل اس وقت تک مسائل ہیں جب تک انسان ذہنی سکون زندگی سے ناآشنا ہے۔ان لوگوں کے اوپر سے مسائل و تکالیف کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔جو اللہ کی مخلوق کی خدمت کو اپنی زندگی کا نصیب العین بنا لیتے ہیں۔کسی ایسے شخص کی خدمت کیجئے جو نادار ہے، ضرورت مند ہے پھر دیکھئے کہ آپ کو کتنا سکون ملتا ہے دوسروں کی مدد کرنا اور ان کے کام آنا انسانیت کی معراج ہے اور یہی وہ مشن ہے جس کو عام کرنے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں تشریف لائے۔

ضمانت

جسمانی خوشیاں اور غم عارضی ہیں۔ یہ اس لئے کہ مادی جسم فانی ہے۔ جسم فنا ہوتا ہے تو جسم سے متعلق ہر حرکت فنا ہو جاتی ہے رُوح لافانی ہے۔ اس لئے ہر وہ چیز جو رُوح سے متعلق ہے۔ لافانی ہے۔ رُوحانی آگہی کی تکمیل کے نتیجے میں جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ ہمیشہ کی مسرت اور آرام کی ضامن ہے۔

ایک ذات

اللہ نے انسان کو اپنا نائب بنایا ہے۔ اس کے اندر اپنی صفات کا علم پھونکا ہے اس کو اپنی صورت پر تخلیق کیا ہے۔ نائب کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اگر ایک مملکت کا صدر اپنے اختیارات کو استعمال کرنے میں کاغذ قلم کا محتاج نہ ہو تو اس کا نائب اختیارات استعمال کرنے میں کاغذ قلم کا محتاج ہو۔ اللہ وسائل کی محتاجی کے بغیر حاکم ہے تو اس کا نائب بھی وسائل کا دستِ نگر نہیں ہوتا۔ جس طرح خدا نے "کن" کہہ کر کائنات کو وجود بخشا ہے، خدا کا نائب بھی اپنے ذہن کو حرکت دے کر خدا کی تخلیق میں تصرف کر سکتا ہے۔ کیوں کہ اللہ کا نائب اس بات سے واقف ہوتا ہے کہ کائنات میں موجود تمام مظاہر ایک ہی ذات سے ہم رشتہ ہیں۔

پہلا اسکول

آپ کا رفیقہ ء حیات یا آپ کا رفیق سفر اگر دینی یا دنیاوی علوم سے بہرہ ور ہے تو دونوں بچوں کی بہترین تربیت کر سکتے ہیں، بچے کا پہلا گہوارہ ماں کی آغوش اور باپ کی گود ہے دونوں اگر اسلامی اخلاق سے آراستہ ہوں گے تو بچوں کی تربیت اور سُدھار کے لئے گھر تعلیم و تربیت کا پہلا اسکول بن جائے گا۔

امانت

اولیاءاللہ کی گفتگو اسرار و رموز اور علم عرفان سے پُر ہوتی ہے اور ان کی زبان سے نکلا ہوا کوئی لفظ معرفت اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ ان کے ملفوظات اور واردات روحانیت کے راستے پر چلنے والے سالکین کے لئے مشعلِ راہ ہوتے ہیں۔ ان کی گفتگو اور ان کے الفاظ پر ذہنی مرکزیت کے ساتھ تفکر کیا جائے تو کائنات کی ایسی مخفی حقیقتیں منکشف ہوتی ہیں جن کا انکشاف اور مشاہدہ انسان کو اس امانت سے روشناس کر دیتا ہے جس کو سماوات، ارض، جبال نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم اس امانت کے متحمل نہیں ہو سکتے، اگر ہم نے یہ امانت اپنے کندھوں پر اٹھالی تو ہم ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

دوستی

اگر ہم کسی شخص سے قربت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی وہی کرنا ہو گا جو ہمارا مطلوب کرتا ہے۔ اگر ہم اللہ تعالی سے دوستی اور قربت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی وہی کرنا ہو گا جو اللہ کرتا ہے۔ اور اللہ ہر وقت اور ہر آن اپنے مخلوق کی خدمت میں مشغول ہے۔

پھول

جہاں تک طویل انتظار کا تعلق ہے، کائنات کے تخلیقی فارمولوں پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہر گزرنے والا لمحہ آنے والے لمحے کے انتظار کا پیش خیمہ ہے، انتظار بجائے خود زندگی ہے۔ بچپن سے لڑکپن، لڑکپن سے جوانی اور جوانی بڑھاپے کے انتظار میں گزرتی ہے۔ اگر آج پیدا ہونے والے بچے کی زندگی میں آنے والے ساٹھ سالوں پر محیط بڑھاپا چھپا ہوا نہ ہو تو پیدا ہونے والا بچہ پنگوڑے سے باہر نہیں آئے گا، لاشعوری نشو و نما رک جائے گی، کائنات ٹھہر جائے گی چاند سورج اپنی روشنی سے محروم ہو جائیں گے۔ جب ہم اپنی زمین میں کوئی بیج ڈالتے ہیں تو یہ دراصل انتظار کے عمل کی شروعات ہے کہ یہ بیج پھول کھلائے گا۔

پرندے

اللہ کی شان کریمی ہے کہ جب آسمان پر پرندوں کا غول دانہ چگنے کے لئے اپنے پنجوں اور گردن کو کشش ثقل کے تابع کرتے ہوئے زمین کی طرف آتا ہے تو اس سے پہلے کے زمین پر پیر لگے ان کی غذائی ضروریات تخلیق ہو جاتی ہیں اربوں کھربوں پرندے روزانہ اپنی غذا حاصل کر لیتے ہیں۔

حقوق

ماں باپ اولاد کی تمنا کرتے ہیں اور ماں مہینوں ایک نئی زندگی کو اپنے وجود میں پروان چڑھاتی ہے پیدائش کے بعد بھی اولاد اور ماں کا رشتہ نہیں ٹوٹتا اور ماں ہر وقت اولاد کی خدمت پر کمربستہ رہتی ہے۔خود دن رات تکلیفیں اٹھاتی ہے لیکن اولاد کے آرام و آسائش میں کمی نہیں آنے دیتی۔اولاد کو ذرا سی تکلیف میں دیکھتی ہے تو بے چین ہو جاتی ہے۔دوسری طرف باپ رزق کے حصول کے لئے صبح نکلتا ہے اور شام کو گھر میں داخل ہوتا ہے۔اپنی پوری توانائی سے اولاد کے لئے سامان خورد و نوش کا انتظام کرتا ہے یہی وہ عظیم احسانات ہیں جن کی وجہ سے اولاد کے اوپر والدین کے حقوق عائد ہوتے ہیں۔

ہمارا ورثہ

قرآن سائنسی فارمولوں کی ایک دستاویز ہے۔اس کی مقدس آیات میں تفکر کیا جائے تو ہم خلائی تسخیر میں ایک ایسا مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جہاں سائنس دان کھربوں ڈالر خرچ کر کے بھی نہیں پہنچ سکیں ہیں۔ قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق تسخیرِ کائنات ہمارا ورثہ ہے۔

تلاش

اے آدم زاد! تیرے لئے قدرت اتنی رحیم و کریم ہے کہ اس نے ہر موڑ پر تیرے لئے معافی کے دروازے کھول دیئے اور تجھے اپنے دامنِ عافیت میں لینے کے لئے قلندروں کا ایک سلسلہ قائم کیا۔اے کاش! تو سوچتا کہ تو نے کیا کھویا ہے، کیا پایا ہے۔اے آدم و حوا کی نافرمان اولاد! تو نافرمانی کے گندے تالاب میں غرق آب ہے جہاں دنیا اور دین کا ایسا خسارہ ہے جو انسانی بد نصیبی کا مکردہ داغ ہے۔آؤ اپنی اس میراث کو تلاش کریں جس کے متحمل سماوات، ارض اور پہاڑ بھی نہیں ہو سکے، وہ میراث جس کے سامنے آسمان ، زمین، ستارے، شمس و قمر سب مسخر ہیں۔یہ امانت مادے کے خول سے ماوراء ہماری روح کے اندر موجود ہے۔

محبت

اللہ کہتا ہے، میں چھپا ہوا خزانہ تھا پس میں نے محبت کے ساتھ مخلوق کو پیدا کیا تا کہ میں پہچانا جاؤں۔ محل نظر یہ بات ہے کہ اللہ خود کہتا ہے ''میں نے محبت کے ساتھ تخلیق کیا ہے۔'' یعنی اللہ کو پہچاننے کا واحد ذریعہ محبت ہے اور اللہ سے دور کرنے والا جذبہ محبت کے برعکس نفرت ہے۔

جنت دوزخ

جنت کے باسی وہ لوگ ہیں جن کے سروں پر اللہ نے اپنا دستِ شفقت رکھ دیا ہے جن لوگوں پر اللہ نے اپنا دستِ شفقت رکھ دیا ہے وہ اللہ کے دوست ہیں۔ اللہ خوف، غم، پریشانی سے بے نیاز ہے۔ اس لئے اللہ کے دوست میں اللہ کی صفت کا عکس نمایاں ہو جاتا ہے اور اسے نہ خوف ہوتا ہے نہ غم ہوتا ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے دوست نہیں ہیں جنت کی فضاء انہیں کبھی قبول نہیں کرے گی ۔ وہ دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔ اگر کسی کے اندر خوف اور غم ہے تو وہ اللہ کے بیان کردہ قانون کے مطابق اللہ کا دوست نہیں ہے۔ اور جو بندہ اللہ کا دوست نہیں ہے جنت اسے رد کر دیتی ہے۔

وجود

انسان کے وجود میں ایک وجود (مادی جسم) پر ہر لمحہ اور ہر آن موت وارد ہوتی رہتی ہے۔ جس لمحہ موت وارد ہوتی ہے اسی لمحہ ایک نیا وجود تشکیل پا جاتا ہے۔ یہ وجود لمحہ بہ لمحہ حیات ہے۔ دوسرا وجود (رُوح) وہ ہے جس پر لمحات، گھنٹے، دن اور ماہ سال اثر انداز نہیں ہوتے۔

دوئی

یہ دنیاڈُوئی کی دنیاہے دنیاکا کوئی کردار بھی اس ڈُوئی سے آزاد نہیں ہے موسم کا گرم وسرد میں تبدیل ہونا،خوشی کے اوپر غم کا سایہ اور غم کے اوپر خوشی کا غلبہ ، عزت لمحہ بھر بعد بے عزتی، صحت بیماری، محبت نفرت رات کا دن میں سے نکلنااور دن کا رات میں داخل ہوناسب دوئیاں دراصل ہر کردار کے متضاد پہلوہیں۔دوئی کی دنیامیں جب تک اس تضاد کو نہیں سمجھا جائے گا کسی چیز کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔

ہر انسان پیدائش سے لیکر بڑھاپے تک تجربات کی ایک دستاویز ہے اس دستاویز میں بھلائی سرائیت کر گئی تو دستاویز قیمتی اور فائدے مند ہے۔رگ وپے میں برائی رچ بس گئی ہے تو دستاویز بھونڈی اور بھیانک ہے۔

ناجئے نااُٹھے

یہ ساری دنیا ایک لمحہ میں قید ہے۔اوراس ایک لمحاتی دنیا کے اصول کے مطابق آدم کو ایک گھڑی مستعار ملی ہے اگر یہ زندگی محض بے کار باتوں میں گذر گئی تو ساری دنیا ہی گذر گئی ہم نہ پیدا ہوئے،نہ جئے،نہ اُٹھے،نہ بیٹھے،نہ کچھ کیا،نہ کچھ سمجھا۔گویا ایسے آئے کہ آئے ہی نہ تھے۔

ڈولفن

انسان ایک چکر فی سیکنڈ کی آواز کی لہروں کو محسوس کر سکتا ہے لیکن ایک ہزار چکر فی سیکنڈ سے زیادہ چکر کی آواز کی لہروں کو انسانی کان سن نہیں سکتے اس کے بر عکس کتے، بلیاں اور لومڑیاں ساٹھ ہزار چکر فی سیکنڈ کی آوازیں سُن سکتی ہیں۔ چوہے، چمگاڈر، وھیل اور ڈولفن ایک لاکھ چکر فی سکنڈ کی آوازیں سن سکتے ہیں۔ مچھلیاں بھی سمندر میں انتہائی مدہم ارتعاش کو محسوس کر لیتی ہیں۔

انسان میں دیکھنے کی حد(Range)بہت کم ہوتی ہے۔ جبکہ شہد کی مکھی ماورائی بنفشی شعاعیں(ULTRAVIOLIT RAYS)دیکھ سکتی ہے۔انسان کے مقابلے میں شاہین کی آنکھ کسی چیز کو آٹھ گناہ بڑا دیکھتی ہے۔

ندامت

اچھے یا برے عمل کی پہچان یہ ہے کہ ایک عمل کرنے سے ضمیر خوش ہوتا ہے اور اس کے اندر سکون اور اطمینان کی لہریں موجزن ہو جاتی ہیں۔اور عمل کی دوسری پہچان یہ ہے کہ ضمیر ناخوش ہوتا ہے اور انسان یہ عمل کر کے ندامت محسوس کرتا ہے ۔

شعلے

آگ کے شعلے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ایک طرح کے شعلوں سے ہر چیز خاکستر ہو جاتی ہے اور دوسری طرح کے شعلوں سے ہر چیز کے اندر زندگی دوڑنے لگتی ہے۔آدم زاد جب خیر کی روشنیوں سے اپنی آبیاری کرتا ہے تو یہ بھڑکتے شعلے گل وگلزار بن جاتے ہیں اور آدم ذاد جب شر کے خمیر سے اپنی آبیاری کرتا ہے تو یہ شعلے اسے جہنم کی آگ میں دھکیل دیتے ہیں۔خیر و شر کیا ہے؟ طرز فکر کے دونام ہیں۔طرز فکر میں اگر بندگی اور اللہ کے ساتھ محبت ہے تو یہ خیر ہے طرز فکر میں اگر غیر اللہ کی محبت ہے تو یہ شر ہے۔خیر قائم بالذات جلّ جلالُہ اور شر قائم بالشیطان ہے۔خیر کی تعریف یہ ہے کہ اللہ اسے پسند کرتا ہے،اس کے برعکس شر یہ ہے کہ اللہ اُسے پسند نہیں کرتا۔

منافقت

ریاکار، دھوکے باز اور مطلب پرست شخص کے اندر منافقت پیدا ہو جاتی ہے اس کے اندر وسوسوں کا عفریت داخل ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں آدم زاد جو فرشتوں کا مسجود ہے اپنی ذات سے ناآشنا ہو کر دوسروں کا محکوم بن جاتا ہے۔

زینت

زاہدانہ زندگی یہ نہیں ہے کہ آدم خواہشات کو فنا کرکے خود فنا ہو جائے۔آدمی اچھالباس پہننا ترک کردے، پھٹا پُرانہ پیوند لگا لباس پہننا ہی زندگی کا اعلیٰ معیار قرار دے لے تو دنیا کے سارے کارخانے اور تمام چھوٹی بڑی فیکٹریاں بند ہو جائیں گی اور لاکھوں کروڑوں لوگ بھوک زدہ ہو کر ہڈیوں کا پنجر بن جائیں گے۔اللہ نے زمین کی کوکھ سے وسائل اس لئے نہیں نکالے کہ ان کی بے قدری کی جائے ان کو استعمال نہ کیا جائے۔اگر روکھا سوکھا کھانا ہی زندگی کی معراج ہے تو بارشوں کی کیا ضرورت ہے۔اللہ نے رنگ رنگ پھولوں،پتوں،درختوں، پھلوں کوہساروں اور آبشاروں سے زمین کو زینت بخشی ہے۔

مقدّر

اے خدا! تیرے میکدے میں یہ کیسی بیداد ہے کہ سارے مہینے روزے رکھنے کے بعد بھی ہمیں معرافت کی شراب نہیں ملی جب کہ خود تیرا کہنا ہے کہ ''روزے کی جزامیں خود ہوں''جب اس مہینے میں بھی تیرادیدار نصیب نہیں ہوا کیاسارے سال مصیبتوں کی آندھیاں میرا مقدر نہیں بن جائیں گی؟

وسائل

حیوانات کی نوع میں دوسری نوعوں کی طرح ایک نوع آدمی بھی ہے لیکن جب کسی بندے کا تعلق اللہ سے قائم ہو جاتا ہے تو وہ جانوروں کے گروہ سے نکل کر انسان بن جاتا ہے اور انسانوں کی فہم و فکر یہ ہوتی ہے کہ وہ برملا پکار اٹھتے ہیں ہمارا جینا، ہمارا مرنا سب اللہ کی طرف سے ہے اور اس کی یقینی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا تھا تو پوچھ کر پیدا نہیں کیا تھا۔ دنیا میں ایک فردِ واحد بھی ایسا نہیں ہے جو اپنی مرضی سے پیدا ہوا ہو یا اپنی مرضی سے ہمیشہ زندہ رہے۔ ہم ان ہی وسائل سے استفادہ کرتے ہیں جو ہمارے لئے پہلے سے تخلیق کر دیئے گئے ہیں۔

گمراہی

بندہ کا سانس خالص شراب کا ایک گھونٹ ہے۔ سوچ کی گہرائی بتاتی ہے کہ ساری دنیا ہی خالص شراب ہے شراب کا یہی ایک گھونٹ زندگی میں پنہاں اسرار کو منکشف کر دیتا ہے، بندہ چاہے تو اُسے مستی قلندری میں گزار دے چاہے خود کو گمراہی میں دفن کر دے۔

آسمانی کتابیں

زمین پر بسنے والا ہر آدمی جب تذکرہ کرتا ہے تو کہتا ہے میں مسلمان ہوں، میں ہندو ہوں، میں پارسی ہوں، میں عیسائی ہوں حالانکہ انسان کی اصل "رُوح" کا کوئی نام نہیں رکھا جاسکتا۔ روشنی ہر جگہ روشنی ہے چاہے وہ عرب میں ہو، عجم میں ہو یا یورپ میں ہو یا ایشیا کے کسی حصے میں ہو۔ اس دنیا میں جو بھی پیغام آیا ہے وہ اپنے الفاظ کے ساتھ قائم ہے۔ عیسائیوں کے لئے بائبل کے الفاظ مذہب کا درجہ رکھتے ہیں اور مسلمان کے لئے قرآن مذہب کا پیش رو ہے۔ ہندو بھگوت گیتا کے الفاظ کی عبادت کرتے ہیں۔ سب آسمانی کتابیں دراصل خدا کے برگزیدہ بندوں کی وہ آوازیں ہیں جو روشنی بن کر تمام عالم میں پھیل گئی ہیں۔

لطیف

انسان خالصتاًللہ جب کوئی کام کرتا ہے تو اسے ایک بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے۔وہ خوشی اس کے اندر سماجاتی ہے جو اس کی رُوح کے کونے کونے کو منور کر دیتی ہے۔اس خوشی سے اس کی روح اتنی ہلکی ہو جاتی ہے ہے کہ وہ اپنے جسم کو لطیف محسوس کرتا ہے۔

نونہال

اخبارات کے پورے پورے کالم اور کئی کئی سو صفحات کی کتابیں لکھی جا رہی ہیں کہ ان سے نوجوان نسل کی اصلاح مقصود ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ رشد وہدایت کے ان طوفان خیز دعووں کے ساتھ اگر نوجوان نسل کے بڑوں نے اپنی اصلاح نہیں کی تو حالات نہیں سدھریں گے۔ ہم یہ بات کیوں بھول رہے ہیں کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کا ذہن سادہ ورق کی طرح ہوتا ہے۔ وہ وہی عادات و اطوار اختیار کرتا ہے جو ماحول میں رائج ہیں ایک فرد واحد بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ بچہ وہی زبان بولتا ہے جو اس کے ماں باپ بولتے ہیں۔ دراصل ہمارے نونہال من حیث القوم ہمارے کردار کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔

کائناتی حقیقت

بعض چیزیں ایسی ہیں جن کو انسان غیر حقیقی کہہ کر سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا اور واہمہ یا خواب و خیال کہہ کر نظر انداز کر دیتا ہے حالانکہ کائنات میں کوئی شئے فاضل اور غیر حقیقی نہیں ہے۔ ہر خیالی اور ہر واہمہ کے پس پردہ کوئی نہ کوئی کائناتی حقیقت ضرور کارفرما ہوتی ہے۔

نصیحت

اللہ کے مشن (دین) کو پھیلانا ہر امتی پر فرض ہے۔اس فرض کی ادائیگی کے لئے پہلے خود اپنا عرفان حاصل کریں۔خود آگاہی اور اپنی ذات کا عرفان ایسی روحانی کامیابی ہے جس کے ذریعے انسان اپنی دعوت کا سچا نمونہ بن جاتا ہے۔جو کچھ کہتا ہے عمل و کردار سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔جب وہ دینی اور رُوحانی مشن کو عام کرنے کے لئے لوگوں کو دعوت دیتا ہے تو پہلے خود اس کی مثال قائم کرتا ہے۔ خدا کو یہ بات انتہائی ناگوار گزرتی ہے کہ دوسروں کو نصیحت کرنے والے خود بے عمل ہوں۔ نبی بر حق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بے عمل دعوت دینے والوں کو انتہائی ہولناک عذاب سے ڈرایا ہے۔

عظمت

تمہیں کسی ذات سے تکلیف پہنچ جائے تو اُسے بلا توقف معاف کر دو اس لئے کہ انتقام بجائے خود ایک صعوبت ہے۔انتقام کا جذبہ اعصاب کو مضمحل کر دیتا ہے۔تم اگر کسی کی دل آزاری کا سبب بن جاؤ تو اس سے معافی مانگ لو قطع نظر اس کے کہ وہ تم سے چھوٹا ہے یا بڑا،اس لئے کہ جھکنے میں عظمت پوشیدہ ہے۔

مساوات

حقوق العباد یہ ہے کہ انسان اس بات کا یقین رکھے کہ ساری نوعیں اللہ کا ایک کنبہ ہے اور میں خود اس کنبے کا ایک فرد ہوں۔ جس طرح کوئی انسان اپنی فلاح و بہبود اور اپنی آسائش کے لئے اصول وضع کرتا ہے اسی طرح ہر انسان پر یہ فرض عائد ہے کہ وہ اپنے بھائی کی آسائش و آرام کا خیال رکھے۔ انبیاء اور اہل اللہ کی تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہ بات مظہر بن کر سامنے آتی ہے کہ تمام انبیائے کرام اور تمام اہل اللہ نے مخلوق کی خدمت کو اپنا نصب العین قرار دیا ہے۔ اللہ کی، مخلوق کی خدمت کا سچا اور مخلصانہ جذبہ انسان کے اندر محبت، اخوت، مساوات کو جنم دیتا ہے۔

ہدایت

قرآن ان لوگوں کو ہدایت بخشتا ہے جو متقی ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر یقین رکھتے ہیں اور یقین کی تعریف یہ ہے کہ آدمی کے اندر باطنی نظر کھل جاتی ہے اور غیب اس لئے مشاہدہ بن جاتا ہے۔ جب تک مشاہدہ عمل میں نہ آئے یقین کی تعریف پوری نہیں ہوتی۔

محروم

صورت حال کچھ یوں ہے کہ لوح محفوظ میں انفرادی زندگی بھی نقش ہے اور قومی زندگی بھی نقش ہے۔ انفرادی حدود میں کوئی بندہ جب کوشش اور جدوجہد کرتا ہے تو اس کے اوپر انفرادی فوائد ظاہر ہوتے ہیں۔ قومی اعتبار سے ایک دو، چار دس بندے جب کوشش کرتے ہیں تو اس جدوجہد اور کوشش سے پوری قوم کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لوحِ محفوظ پر یہ بھی لکھا ہوا ہے جو قومیں خود اپنی حالت بدلنے کے لئے کوشش کرتی ہیں ان کو ایسے وسائل مل جاتے ہیں جن سے وہ معزز و محترم بن جاتی ہیں اور جو قومیں اپنی حالت میں تبدیلی نہیں چاہتیں وہ محروم ہو کر ذلیل زندگی گزارتی ہیں۔

علم و آگہی

جس فرد کے دل میں شک جا گزیں ہوں وہ اللہ کا عارف کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ شک شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے جس کے ذریعے وہ آدم زاد کو اپنی رُوح سے دور کر دیتا ہے۔ روحانی قدروں سے دوری آدمی کے اوپر علم و آگہی کے دروازے بند کر دیتی ہے۔

مہر

ماورائی علوم سیکھنے والے ہر طالب علم کو یہ بات پوری طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ مخصوص نظریات کی حد بندیاں، کٹ حجتی ،انتہاء پسندی اور خود کو کسی ایک دو یا زیادہ علوم میں یکتا سمجھنا ناقص طرزِ فکر ہے۔اور ناقص طرزِ فکر انسان کو یکسوئی اور آزاد ذہن ہونے سے محروم کر دیتی ہے اور جب کوئی بندہ اس نعمت سے محروم ہو جاتا ہے تو اس کے دل و دماغ پر شک اور وسوسے آکاش بیل بن کر پھیل جاتے ہیں۔یہی وہ المناک صورت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا ہے ''مہر کی اللہ نے ان دلوں کے اوپر اور ان کے کانوں کے اور ان کی آنکھوں کے اوپر پردہ ہے اور ان کے واسطے بڑا عذاب ہے۔''

سعادت

مٹی کی صورتیں ہمیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں اے آدم زاد! تو کیوں خود فراموشی کے جال میں گرفتار ہے؟ یہ سب مٹی ہے جو ٹوٹ کر بکھر کر ریزہ ریزہ ہو کر نئے نئے روپ میں جلوہ گر ہو رہی ہے۔ تو کیوں مٹی کے سامنے شکست خوردہ نہیں ہو جاتا۔ اس شکست میں تیرے لئے سعادت ہے کہ کبر و نخوت سے بچ جائے گا۔

لیل و نہار

ہمیں پوری سنجیدگی کے ساتھ متانت اور بردباری کے ساتھ یہ سوچنا ہوگا کہ مرنے جینے اور جسم کی نت نئی تبدیلیوں کے پیچھے کیا عوامل کام کر رہے ہیں۔ ہم کیوں قائم بالذات نہیں ہو جاتے، کیا ہم بار بار تبدیلیٔ جسم کے سلسلے کو ختم نہیں کر سکتے اور کیا ہم بقائے دوام پا سکتے ہیں، اور کیا ہر آن، ہر لحہ جسمانی ذہنی شعوری تبدیلی سے نجات پا سکتے ہیں؟ ہمیں سوچنا ہوگا کہ اختلاف لیل و نہار کے ساتھ ہم بھی کیوں تبدیل ہوتے رہتے ہیں یہ جاننے کے لئے ہمیں اپنے دوست کو پہچاننا ہوگا اور جب ہم اپنے سچے، پاک اور ایثار کرنے والے دوست سے واقف ہو جائیں گے توڑ ڈ و بدل کا لامتناہی سلسلہ ایک نقطے پر ٹھہر جائے گا۔۔۔ ہمارا یہ دوست خدا ہے۔

کور چشم

روحانی سائنس کا طالب علم اپنے مشاہدہ اور تجزیہ (ANALYSIS) کی بنا پر اس مقصد سے آشنا ہوتا ہے کہ کائنات میں عناصر کی ترتیب، ہم آہنگی، نظم، افادیت و مقصدیت کور چشم شعور کی کارفرمائی نہیں ہے۔ کوئی طاقت ہے، کوئی ہستی ہے جس کے حکم پر ازل سے ابد نظام حیات و کائنات قائم ہے۔

لحد

قانون قدرت سے انحراف کی ہزاروں سزائیں ہمارے سامنے ہیں، نئے نئے موذی امراض کی یلغار ہے۔ سب کچھ ہوتے ہوئے ہر شخص افلاس کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔ اولاد نالائق ہے یا والدین نالائق قرار دیئے جا رہے ہیں قوم بصارت اور بصیرت سے محروم ہو رہی ہے۔ دماغی عارضے آج جتنے عام ہیں اتنے کبھی نہ تھے۔ ذرا زور سے دل دھڑکا اور آدمی لحد میں اتر گیا۔ عدم تحفظ کا عالم یہ ہے کہ پتّہ بھی ہلے تو دل سینے کی دیوار سے باہر آ جانا چاہتا ہے گھر میں میاں بیوی کی تو تکار سے نوجوان نسل شادی کے بندھن کو بوجھ سمجھنے لگی ہے۔ وسائل کے انبار ہونے کے باوجود روزی تنگ ہو گئی ہے۔

رشتہ

’’کائنات میں گھڑی بھر کا تفکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔‘‘ جن قوموں نے کائنات کے اجزائے ترکیبی یعنی افراد کائنات کی تخلیق پر غور کیا، وہ سرفراز ہوئیں اور جس قوم نے کائناتی تفکر سے اپنا رشتہ منقطع کیا وہ اقوامِ عالم میں مردہ قوم بن گئی۔

گھٹن

اے میرے بزرگو! میرے اسلاف کی نیابت کے دعویدارو! اگر تمہیں یقین ہو جائے کہ تمہارا باپ ایک خوفناک ہستی ہے اور وہ تمہارے وجود کو جلا کر خاکستر کر دے گا کیا تم اس کے قریب جاؤ گے ؟اے دانشورو،واعظو! تم کیوں ایسے خدا کا تذکرہ کرتے ہو کہ انسان اسے خوفناک ہستی اور ڈراؤنی ذات سمجھ کر رات دن ڈرتا رہے ،لرزتا رہے ،اس کے جسم کا ہر عضو کانپتا رہے ،یہ کون نہیں جانتا کہ ڈر اور خوف دوری اور جدائی کا سمبل ہے۔یہ کون تسلیم نہیں کرے گا کہ ڈر گھٹن ہے ،ڈر ،اضطراب ،بے چینی ہے ڈر اور خوفنا کی دو دلوں کے درمیان جدائی کی ایک دیوار ہے۔

روٹین

زندگی سے مردانہ وار لڑ کر فتح یاب ہونے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ انسان جدوجہد اور کوشش کی حقیقت سے واقف ہو جائے۔واقفیت یہ ہے کہ زندگی ایک روٹین میں گزار دی جائے۔روٹین یہ ہے کہ ہم سانس لیتے ہیں کبھی یہ نہیں سوچتے کہ پلک جھپک رہی ہے۔

کارنامے

ہم جب زندگی میں کام کرنے والے جذبات کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ حالات وواقعات کے ساتھ ساتھ جذبات میں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ گردوپیش میں اگر خوف وہراس کی فضاء پیدا کردی جائے تو لوگ خوف زدہ زندگی گزارتے ہیں۔اس کے برعکس اگر گردوپیش میں شجاعت اور بہادری کی فضاء قائم ہو تو لوگ بیمار نہیں ہوتے۔اسی طرح اگر گردوپیش میں اگر تساہل ، کسل مندی اور لاپروائی کے عوامل کارفرما ہوں تو اس ماحول میں رہنے والے اکثر لوگ کاہل اور تساہل پسند ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ماحول میں سے کسل مندی اور تساہل دور کردیا جائے تو لوگ باعمل ہو جاتے ہیں اور قوت ارادی سے کام لے کر بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے ہیں۔

حاکم و محکوم

کائنات میں موجود ہر شئے مسلسل حرکت میں ہے۔جو بندے اس وصف کو قبول کر کے جدوجہد کرتے ہیں،وہ کائنات کا رکن بن جاتے ہیں۔کائنات کی رکنیت انہیں اعلیٰ علیین کے مقام تک پہنچا دیتی ہے جہاں بندے حاکم اور فرشتے محکوم بن جاتے ہیں۔

فرماں برداری

بچوں کو ڈرائیں نہیں کیوں کہ ابتدائی عمر میں دماغ میں چھپا ہوا ڈر ساری عمر ذہن میں چمٹا رہتا ہے اور خوف زدہ بچے زندگی میں کوئی بڑا کام سرانجام دینے کے قابل نہیں رہتے۔ اولاد کا سخت سست کہنا اور ہر وقت بھلا برا کہتے رہنا بھی صحیح طرز عمل نہیں ہے وہ ڈانٹ ڈپٹ کو روزانہ کا معمول سمجھنے لگتا ہے۔ بچے ناسمجھ ہوتے ہیں۔ ان کی کوتاہیوں پر بیزار ہونے کے بجائے سوچئے کہ آپ بھی ان ہی کی طرح بچہ تھے آپ سے بھی بے شمار کوتاہیاں سرزد ہوتی تھیں حکمت اور بردباری سے ان کو سمجھایئے۔ ان کے سروں پر شفقت سے ہاتھ پھیریئے تاکہ ان کے اندر اطاعت اور فرماں برداری کے جذبات ابھر آئیں۔

خوشی

یہ کیسا المناک اور خوفناک عمل ہے کہ ہم دوسروں کو نقصان پہنچا کر خوش ہوتے ہیں۔درخت ایک ہے۔پتے اور شاخیں لاتعداد ہیں اگر کوئی شاخ خود اپنے درخت کی جڑ پر ضرب لگائے تو وہ خود کس طرح محفوظ رہ سکتی ہے۔خوشی اگر ہمارے لئے معراجِ تمنا ہے تو ہم اپنے ہم جنسوں کو تکلیف پہنچا کر کیسے خوش رہ سکتے ہیں۔

عذاب

کوئی قوم خیر و شر کی تفریق کو نظر انداز کر کے قانون شکنی کا ارتکاب کرنے لگتی ہے تو افراد کی یقین کی قوتوں میں اضمحلال شروع ہو جاتا ہے۔ عقائد میں شک اور وسوسے در آتے ہیں، انسان زندگی کی حقیقی مسرتوں سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کی حیات کا محور خالق کائنات کے بجائے صرف مادی وسائل بن جاتے ہیں تو آفاتِ ارضی و سماوی کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر ایسی قومیں صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔ اللہ شک اور بے یقینی کو دماغ میں جگہ دینے سے منع کرتا ہے۔ یہ وہی شک وسوسہ ہے جس کے سبب آدم کو جنت کی نعمتوں سے محروم ہونا پڑا۔

پہرے

یہ کیسا المیہ ہے کہ ترقی کا محزن غیر مسلم ہیں اور ہر بربادی، ذلت اور رسوائی مسلمان کا امتیازی نشان بن گیا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اسلام کے نام لیواؤں اور مسلم اقوام کے دانشوروں نے شعور و آگہی پر اپنی مصلحتوں کے پہرے بٹھا دیئے ہیں۔

عبرت

جہاں تک دولت کے انبار جمع کرنے سے عزت و توفیق کے حصول کا تعلق ہے یہ ایک خود فریبی ہے ایسی خود فریبی جس سے ایک فرد بھی انکار نہیں کر سکتا۔ فراعینِ مصر کے محلات، قارون کے خزانے ہمیں بتا رہے ہیں کہ دولت نے کبھی کسی کے ساتھ وفا نہیں کی۔ تاریخ خود کو دوہراتی رہتی ہے۔ بڑے بڑے شہنشاہوں کے واقعات سے کون واقف نہیں ہے ایسا بھی ہوا ہے کہ پوری شان و شوکت اور شاہی دبدبہ کے باجود مادرِ وطن میں قبر کے لئے جگہ بھی نصیب نہیں ہوئی سونے چاندی کے ذخیروں اور جواہرات کے ڈھیر نے دنیا کے امیر ترین آدمیوں کے ساتھ کتنی وفا کی؟ کیا یہ حقیقت ہمارے لئے درسِ عبرت نہیں ہے؟

نصیحت

بے یقینی، درماندگی، پریشانی اور عدم تحفظ کے اس دور میں جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شخص اپنے چھوٹوں اور اپنے احباب کو برائی سے بچنے کی تلقین کرتا ہے اور خود اس پر عمل نہیں کرتا تو ہمارے سامنے یہ بات آجاتی ہے کہ نصیحت کا اثر اس لئے نہیں ہوتا کہ ہم خود بے عمل ہیں۔

عفریت

تعمیر اور تخریب کے دو رخ ہیں۔جب تعمیری شعور بروئے کار آتا ہے تو انسان آسمانوں کی رفعت سے بھی اونچا اور سربلند بن جاتا ہے۔کائنات اس کے لئے مسخر ہو جاتی ہے اور یہ فرشتوں کا مسجود قرار پاتا ہے اور جب یہی انسان اسفل میں گرتا ہے تو اخلاقیات کی تمام حد بندیاں ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔حرص و ہوس اور معیار زندگی کا عفریت اسے نگل لیتا ہے۔ایسی ایسی اختراعات و ایجادات ذہن میں آتی ہیں جو ابلیسیت کا شاہکار ہوتی ہیں۔اور دماغ کی تمام تعمیری صلاحیتیں تخریب کا لباس پہن کر اللہ کی زمین میں فساد برپا کر دیتی ہیں۔بلاشبہ آج کا سائنسی دور اس کا بین ثبوت ہے۔

اطلاع

خیال اس اطلاع کا نام ہے جو ہر آن، ہر لمحہ ہمیں زندگی سے قریب کرتی ہے۔ پیدائش سے بڑھاپے تک زندگی کے سارے اعمال محض اطلاع کے دوش پر رواں دواں ہیں۔ کبھی ہمیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ ہم ایک بچہ ہیں۔ پھر ہمیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ ہم جوان ہیں اور پھر یہی بڑھاپے کا روپ دھار لیتی ہے۔

عناصر

جدید سائنس کی روح سے آدمی ایک سو چھبیس عناصر سے مرکب ہے۔ آگ، پانی، ہوا، مٹی، ہائیڈروجن، ریڈیم، کاربن، نائیٹروجن۔۔۔وغیرہ غرض جتنے بھی عناصر مل کر کسی مادے کی تشکیل و تخلیق کرتے ہیں وہ سب آدمی کے اجزائے ترکیبی میں بھی شامل ہیں۔ جب ہم مادی اعتبار سے آدمی، حیوانات، چرند، پرند، درندے، ذی روح اور غیر ذی روح مخلوق کا تجزیہ کرتے ہیں تو سب ایک صفت میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ آدمی جہاں افضل ہو کر انسان بنتا ہے اور اس میں جو چیز تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہے وہ اس کی قوت ارادی ہے۔ قوت ارادی مضبوط ہو تو کائنات انسان کے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہے۔

ابلیس

شیطانی تفکر، ابلیسی طرز فکر اور برائی کے تشخص کی سوچ یہ ہے کہ وہ اپنا عرفان اس طرح رکھتی ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں ہے ۔ بڑائی اور خود نمائی اس کی گردن کے پٹھوں کو تشنج میں مبتلا کر دیتا ہے۔ چہرے پر ملائمت، صباحت اور معصومیت کی جگہ بدصورتی اور خشکی اپنا تسلط جما لیتی ہے۔

جانور

آدمی اور حیوان میں فرق کیا ہے ؟آدمی اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔ آدمی بھی چوپایوں کی طرح دو پیروں سے چلنے والا جانور ہے ۔بصیرت سے دیکھا جائے تو آدمی حیوانات سے ہر لحاظ سے کم تر ہے۔ جتنا یقین ایک چڑیا کو اپنے اوپر ہے آدمی کے اندر اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔ جتنا استغناء ایک چیونٹی میں ہے آدمی اس سے بھی محروم ہے جو کردار آدمی کو حیوانات سے ممتاز کرتا ہے وہ فکر و شعور کے دائرے میں رہتے ہوئے خالق حقیقی سے رابطہ ہے۔ اگر کسی بندے کا اپنے خالق سے ربط نہیں ہے تو دراصل وہ دو پیروں پر چلنے والا جانور ہے۔

جہالت

کیا یہ اپنے اوپر ظلم و نادانی نہیں ہے کہ گھر میں کھانے پینے کا سامان بھرا ہوا ہے آدمی فاقے کر رہا ہے۔ کیا یہ جہالت نہیں ہے کہ ساری کائنات آدم کے لئے مسخر کر دی گئی اور آدم زاد قید و بند کی زندگی میں ایڑیاں رگڑ رہا ہے اور آدم زاد اپنے اندر کی روشنی دنیا میں پھیلانے کے بجائے ساری کائنات کو اندھیر کر دینا چاہتا ہے۔

خیالی گھوڑا

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کر ڈالتے ایسے لوگ بالآخر دردناک عذاب میں مبتلا رہتے ہیں۔ دولت کا حصول بری بات نہیں ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ہم نے دولت ہی کو سب کچھ سمجھ لیا ہے اور اس سے پیدا ہونے والی خرابیوں کا زہر معاشرے کی رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہا ہے یہی وجہ ہے کہ آج ہم سکون کے ایک لمحہ کو بھی ترستے ہیں۔ اور عدم تحفظ کا احساس ہمارے اُوپر مسلط ہے رشتوں کے تقدس پر دولت کی چھاپ لگ گئی ہے ایک دوڑ ہے جو ہمیں ہوس پرستی کے خیالی گھوڑے پر آگ کی طرف دھکیل رہی ہے۔

دعا

دعاؤں کے ساتھ عمل نہ ہو، کردار نہ ہو، اخلاص نہ ہو تو یہ دعائیں بھی زمین کے کناروں سے باہر نہیں نکلتیں۔اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق وہ دعائیں مقبولِ بارگاہ ہوتی ہیں جن کے ساتھ مسلسل اور پیہم عمل ہو۔ عمل کے بغیرُ دعا ایک ایسا جسم ہے جس میں رُوح نہیں ہے اور جب جسم میں سے رُوح نکل جاتی ہے تو اس کی حیثیت ایک لاش کی ہوتی ہے جو کسی کام نہیں آتی۔

باطنی آنکھ

جب تک آدمی کے یقین میں یہ بات رہتی ہے کہ چیزوں کا موجود ہونا یا چیزوں کا عدم میں چلے جانا اللہ کی طرف سے ہے اس وقت تک ذہن کی مرکزیت قائم رہتی ہے اور جب یہ یقین غیر مستحکم ہو کر بکھر جاتا ہے تو آدمی ایسے عقیدوں اور وسوسوں میں گرفتار ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ ذہنی انتشار ہوتا ہے، پریشانی ہوتی ہے، غم و خوف ہوتا ہے حالانکہ دیکھا جائے تو یہ بات بالکل سامنے کی ہے کہ انسان کا ہر عمل، ہر فعل، ہر حرکت کسی ایسی ہستی کے تابع ہے جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتی لیکن باطنی آنکھ اس کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔

چھ رنگ

کائنات کی تخلیق میں بنیادی عنصر یا بنیادی مسالا رنگ اور رنگوں کا امتزاج ہے۔ رنگوں کی مناسبت سے یا رنگوں کی کمی بیشی سے مختلف تخلیقات عمل میں آتی ہیں۔ انسان جو مخلوقات میں سب سے اعلیٰ اللہ کی صناعی ہے اس کی تخلیق روشنیوں کے چھ دائروں میں ہو رہی ہے۔ روشنی کا ہر دائرہ الگ الگ رنگ سے مرکب ہے اور الگ الگ رنگ کا دائرہ ہے۔

دستِ نگر

کتنی مضحکہ خیز ہے یہ بات کہ قرآن کائنات پر ہماری حاکمیت اور سرداری تسلیم کر رہا ہے، ہمارے اوپر حاکمیت اور سرداری کے دروازے کھول رہا ہے اور ہم قرآن کو محض برکت کی کتاب سمجھ کر طاقوں میں سجائے رکھتے ہیں. جب کوئی افتاد پڑتی ہے تو اسکی آیات تلاوت کر کے دنیاوی مصائب سے نجات کی دعائیں مانگتے ہیں مگر اس طرف ہماری توجہ مبذول نہیں ہوتی کہ قرآن میں تفکر اگر ہمارا شعار بن جائے اور ہم اس تفکر کے نتیجے میں میدان عمل میں اتر آئیں تو ساری کائنات پر ہماری سرداری مسّلم ہے. افسوس کہ ہم ان خزانوں کو نظر انداز کر کے دوسروں کے دستِ نگر بنے ہوئے ہیں۔

اللہ کا فضل

خدا کی راہ میں جو کچھ خرچ کریں بے غرض اور لاگ کے بغیر خرچ کریں۔ یہ آرزو ہر گز نہ رکھئے کہ جن لوگوں کی آپ نے اللہ کے لیے مدد کی ہے وہ آپ کے شکر گزار اور احسان مند ہوں۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنا کوئی فخر و مباہات کی بات نہیں ہے۔ یہ تو محض اللہ کا فضل ہے اس نے آپ کو اس قابل بنا دیا ہے کہ آپ کا ہاتھ اُوپر ہے۔

دل

ہمارے اطراف میں بکھرے ہوئے مختلف جاندار مٹی کی بنی ہوئی وہ مختلف تصویریں ہیں جو سانس لیتی ہیں۔ان کی زندگی کا سارا اثاثہ قیاس آرائی ہے۔یہی قیاس آرائی حواس کی بنیاد ہے۔جب خیال متحرک ہوتا ہے تو بصارت، سماعت، گویائی، شامہ، مشام اور لمس درجہ بدرجہ ترتیب پا جاتے ہیں۔چونکہ ان کی بنیاد قیاس آرائی ہے اس لئے ظاہری حواس میں ہمارا دیکھنا، سمجھنا اور سوچنا حقیقی نہیں ہے۔اسی لئے روحانیت میں قلبی مشاہدات کو حقیقت کہا جاتا ہے۔قرآن کہتا ہے۔’’دل نے جو دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا۔‘‘

بے بضاعتی

یہ نہیں معلوم کہاں سے آیا ہوں اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ منزل کہاں ہے ایسا علم جس کو نہ تو کھو جانے کا علم ہو اور نہ ہی کچھ پا لینے کا علم ہو علم نہیں ہے۔ بے بضاعتی اور کم مائیگی کا یہ حال ہے تو ہم حقیقت کے سمندر میں کس طرح غوطہ زن ہو سکتے ہیں۔ حقیقی علم جاننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم یہ جانتے ہوں کہ اس دنیا میں پیدائش سے پہلے ہم کہاں تھے اور مرنے کے بعد کون سے عالم میں چلے جاتے ہیں۔

بھان متی

خرق عادت یا کرامات کا ظہور کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے جب کہ بندے کا شعوری نظام لاشعوری نظام سے خود اختیاری طور پر مغلوب ہو جاتا ہے تو اس سے ایسی باتیں سرزد ہونے لگتی ہیں جو عام طور سے نہیں ہوتیں اور لوگ انہیں کرامات کے نام سے یاد کر نے لگتے ہیں۔ یہ سب بھان متی ہے اعمال و حرکات میں خرق عادت اور کرامات خود اپنے اختیار سے بھی ظاہر کی جاتی ہے اور کبھی کبھی غیر اختیاری طور پر بھی سرزد ہو جاتی ہے۔ خرق عادت آدمی کے اندر ایسا وصف ہے جو مشق کے ذریعے متحرک کیا جاسکتا ہے۔

چل چلاؤ

موت جب رُوح اور بدن کو الگ کردے گی تو بدن کا ٹھکانا صرف دو گز زمین کا ٹکڑا ہوگا (وہ بھی اس کے لئے جسے میسر آجائے) کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد اس جگہ کوئی اور دفن ہو جائے گا۔اے بندے! تیری زندگی، تیرا وجود، تیری حقیقت کتنی فانی ہے! سب کے لئے چل چلاؤ اور ختم نہ ہونے والا ایک سلسلہ قائم ہے دنیائے فانی کی یہ فانی زندگی عبرت کا مرقع ہے۔

آسمان وزمین

قرآن پاک کو محض ثواب اور و برکت کا ذریعہ سمجھ کر نہ پڑھیں یا طاقوں کی زینت بنا کر نہ رکھیں۔ بلکہ اس میں تفکر کریں، جیسا کہ غور و فکر کرنے کا حق ہے۔ اللہ تعالٰی نے فہمِ قرآن عطا کرنے کا ذمہ خود لیا ہے۔ ''ہم نے قرآن کا سمجھنا آسان کر دیا ہے، کیا ہے کوئی سمجھنے والا؟'' اس آیت مبارکہ کی روشنی میں ہم پر لازم ہے کہ اس عطیہ خداوندی سے فیض اٹھاتے ہوئے قرآن پاک میں غور و فکر کو اپنا شعار بنائیں تا کہ ہماری رُوحیں نور ہدایت سے معمور ہو جائیں اور ہم ان صفات کو حاصل کر سکیں جن سے بندے کے لئے آسمان وزمین مسخر ہو جاتے ہیں۔

آزمائش

مومن ہر حالت میں ثابت قدم رہتا ہے۔ کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں وہ کبھی ناامیدی کی دلدل میں نہیں پھنستا، اللہ کا شکر ادا کرنا اس کا شعار ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ جس طرح خوشی کا زمانہ آتا ہے اسی طرح مصائب کا دور آنا ایک ردعمل ہے۔ وہ آزمائش کے زمانے میں جدوجہد اور عمل کے راستے کو ترک نہیں کرتا کیوں کہ اس کی پوری زندگی ایک مہم اور جدوجہد ہوتی ہے۔

ایک دن

سکندر، دارا، شداد، نمرود، فراعین اور بڑے بڑے بادشاہ جن کی ہیبت اور بربریت کا یہ عالم تھا کہ لوگ ان کے نام سے لرزتے تھے وہ جو بڑی بڑی ریاستوں اور مملکتوں کے تاجدار تھے، عوام سے خراج وصول کرتے تھے خود کو آقا اور عوام کو غلام سمجھتے تھے معلوم نہیں کہ وہ خود اور ان کے تاج و تخت کہاں ہیں۔ ان کو اور ان کی افواج کو جو آندھی اور طوفان بن کر دنیا کے لئے مصیبت بن گئی تھیں ۔ مٹی نے نگل لیا۔ یہ بڑے بڑے محلات اور کھنڈرات جو آج اپنی بے بضاعتی پر آنسو بہا رہے ہیں۔ بالآخر ان کا نام و نشان بھی ایک دن صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔

ایندھن

اللہ چاہتا ہے کہ آدمی سیکڑوں سال زندہ رہ کر دنیا کی رنگینی میں اپنا کردار ادا کرے اور آدمی کام، کام صبح کام اور شام کام اور ہائے دنیا ہائے دنیا کے ختم نہ ہونے والے چکر میں خود اپنے ارادے اور اختیار سے زندگی کو مختصر کرنے پر تلا ہوا ہے جب کہ آدم و حوا کی اولاد یہ بات اچھی طرح جانتی ہے کہ زندگی کو ایندھن بنا کر جمع کی جانے والی ساری پونجی ایک دن موت ہم سے چھین لے گی۔

انگارے

جب تک نوعِ انسانی کے افراد میں کاروباری ذہن کام کرتا رہے گا اسے کبھی سکون میسر نہیں آئے گا۔ ترقی یافتہ قوم اس لئے عذاب میں مبتلا ہے کہ ترقی پیچھے اس کا اپنا ذاتی فائدہ ہے۔ ہر ترقی سونے کا ڈھیر جمع کرنے کا ذریعہ ہے۔ غیر ترقی یافتہ قومیں اسلئے پریشان ہیں کہ ان کا کوئی عمل کاروباری تقاضوں سے باہر نہیں ہے۔ وہ اللہ کو بھی اس لئے یاد کرتے ہیں کہ ان کے پیش نظر اپنی ذات کے لئے منفعت ہے جب کہ اللہ کے نزدیک یہ طرز فکر ناپسندیدہ ہے۔ ''جو لوگ میری آیتوں کا کاروبار کرتے ہیں ان کے پیٹ دوزخ کے انگاروں سے بھروں گا۔''

اظہار ندامت

گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ کرنے میں کبھی تاخیر نہیں کرنی چاہیئے۔اظہار ندامت کے ساتھ،انکسار کے ساتھ،عاجزی کے ساتھ اپنے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو کر معافی طلب کیجئے۔توبہ استغفار سے رُوح مجلیٰ ہو جاتی ہے۔اور قلب دھل جاتا ہے۔نہایت خلوص اور سچائی کے ساتھ توبہ کرنے سے انسان کی زندگی بدل جاتی ہے۔

ترقی یافتہ ذہن

ہر طرف شور و غوغا برپا ہے کہ موجودہ نسل اسلام سے دور ہو گئی ہے، اسلاف کی پیروی نہیں کرتی، ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اسلاف میں ہمارا ابھی شمار ہے موجودہ نسل اگر رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے دور ہو گئی ہے تو اس میں اس کا قصور کم ہو اور ہمارا زیادہ ہے۔ بچے جب یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے والدین زبان سے اللہ اور رسولؐ کی تعلیمات کا پرچار کرتے ہیں اور ان کا عمل اس کے بالکل برعکس ہے تو ان کے ترقی یافتہ ذہن میں بجز اس کے کوئی بات نہیں آتی کہ مذہب صرف اظہار و بیان کا نام ہے۔ عمل سے اس کا کوئی ربط و ضبط نہیں۔

توکل

پیراسائیکالوجی ایسے اسباق کی دستاویز ہے جن اسباق میں یہ بات وضاحت کے ساتھ کی طرح بیان کی گئی ہے کہ سکون کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر استغناء ہو استغناء کے لئے ضروری ہے کہ قادر مطلق ہستی پر توکل ہو توکل کو مستحکم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر ایمان ہو اور ایمان کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر غیب میں نظر متحرک ہو۔ بصورت دیگر بندے کو سکون میسر نہیں آسکتا۔

ایثار

اداس، غم گین،اور پژمردہ چہرے دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم ایسے مسافر ہیں جن کی کوئی منزل نہیں ہے جب کہ اسلامی زندگی کے دل کش خدوخال اختیار کر کے ہم اپنے اندر غیر معمولی کشش اور جاذبیت پیدا کر سکتے ہیں۔اہل اسلام ہی نہیں بلکہ دوسری قومیں بھی اسلامی اصولوں کی ضیاپاشیوں سے متاثر ہو کر دین مبین کی طرف کھنچنے لگتی ہیں۔اسلام یقیناًہوا پانی اور روشنی کی طرح سارے انسانوں کی عام میراث ہے لیکن محض زبانی طور پر اس کا اقرار کر لینا کافی نہیں ہے.اس کے لیے ایثار و عمل کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے.

تقرب

نورانی لوگوں کی باتیں بھی روشن اور منور ہوتی ہیں. زندگی میں ان کے ساتھ ایک لمحے کا تقرب سو سالہ اطاعت بے ریا سے افضل ہے اور عالم قدس میں چلے جانے کے بعد ان کی یاد ہزار سالہ طاعت بے ریا سے اعلیٰ اور افضل ہے کہ ایسے مقرب بارگاہ بندوں کے تذکرے سے آدمی کا انگ انگ اللہ کی قربت کے تصور سے رنگین ہو جاتا ہے.

تقاضے

نوع انسانی خیالات کے چھوٹے بڑے ٹکڑوں پر زندگی گزارتی ہے. جسمانی نشوونما برقرار رکھنے کے لئے بھوک طبیعت کا ایک تقاضا ہے. یہ تقاضا خیال بن کر ہمارے دماغ پر وارد ہوتا ہے اور ہم اس خیال کی طاقت کے زیر اثر کچھ نہ کچھ کھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں. علیٰ ہذالقیاس زندگی کا ہر تقاضا اسی قانون کا پابند ہے. زندگی میں کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو خیال سے شروع ہو کر خیال پر ختم نہ ہوتا ہو۔اعصاب جب تھکان محسوس کرتے ہیں تو طبیعت ہمیں خیال کے ذریعے اس بات سے مطلع کرتی ہے کہ ہمیں آرام کرنا چاہیئے. اور ہم سو جاتے ہیں.

آزادی

ایک مکتبہء فکر کا خیال ہے کہ انسان کی خوشی اس میں ہے کہ وہ آزادانہ زندگی گزارے۔ لیکن جب ان لوگوں نے زندگی کے ماہ وسال پر سوچنا شروع کیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ انسان کسی بھی حال میں آزاد نہیں ہے کیونکہ ہر مسرت کے بعد کسی آفت کا آنا لازمی ہے؛ ہر سکھ اور چین کے بعد کوئی نہ کوئی فتنہ برپا ہوتا ہے. ہر خوشی دراصل ایک غم کا پیش خیمہ ہے اور ہر سکون اضطراب اور بے چینی پر ختم ہوتا ہے۔

اشرف حواس

آدمی جو خود کو اشرف المخلوقات کہتا اور سمجھتا ہے اگر اپنی ابتدا اور انتہا پر غور کرے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس تعمیر کی پہلی اینٹ سڑاند اور تعفن ہے اور انتہا یہ ہے کہ اس کا خوبصورت جسم کیڑوں کی خوراک بن جاتا ہے۔ باوجود اس واضح کھلی حقیقت کے ہر شخص ذاتی منفعت کی خیالی دنیا میں مگن ہے۔ ایک ہی خیال اس کی طلب اور مقصد حیات بن کر رہ گیا ہے۔ دولت, دولت اور صرف دولت۔ وہ دولت جو ایک ایسی لاانتہا دلدل ہے جس میں گر کر کوئی شخص اشرف حواس میں زندہ نہیں رہ سکتا۔

ابدی سکون

تسخیرِ کائنات اور جنت کی زندگی نوع انسانی کا ورثہ ہے لیکن اس ورثہ کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ انسان اس صلاحیت سے متعارف ہو جو جنت کی زندگی میں اسے حاصل تھی۔اس صلاحیت کا حصول اسے رُوح سے قریب ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے چنانچہ جو شخص اپنے انرINNER سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے وہ ابدی سکون پالیتا ہے۔

انسان

زمین پر سے خس وخاشاک دور کرنے کے بعد کوئی پودا لگایا جائے تو وہ جلد نشو ونما پاتا ہے اور جوان ہو کر اچھا پھل دیتا ہے۔اسی طرح جب ذہن کو پوری طرح صاف کر کے کسی نئے علم کا پودا اس میں لگایا جاتا ہے تو وہ بہت جلد برگ و بار لاتا ہے۔اور سر سبز شاداب ہو جاتا ہے۔جس طرح آپ اپنے جسم کا فاسد مادہ خود ہی خارج کر دیتے ہیں یا قدرتی نظام کے تحت وہ خارج ہو جاتا ہے۔اسی طرح ہیجان ،جذبات وخیالات کی کثافت کا اخراج ہونا بھی ضروری ہے۔جب تک دماغ جذبات و ہیجان کی کثافت سے صاف نہیں ہوتا آدمی انسان نہیں بنتا۔

پہاڑ

پہاڑ بھی باشعور ہوتے پہاڑ بھی سانس لیتے ہیں پہاڑ بھی پیدا ہوتے اور جوان ہوتے ہیں چونکہ تخلیقی فارمولوں میں پہاڑ کی تخلیق اور نشو و نما کا فارمولا الگ ہے اس لئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ پہاڑ جمے کھڑے ہیں۔ایک انسان ایک منٹ میں بیس مرتبہ سانس لیتا ہے ،پہاڑ پندرہ منٹ میں ایک سانس لیتے ہیں۔ہر نوع میں سانس کی معین مقداریں الگ الگ ہیں۔

پرواز

تمام جاندار مٹی سے بنے ہوئے ہیں۔ مٹی سے مراد روشنیوں کا وہ خلط ملط ہے جس میں تمام رنگ موجود ہیں۔اسے کل رنگ روشنی بھی کہا جاتا ہے۔یہی رنگ درخت کی جڑیں زمین سے حاصل کرتی ہیں اور یہی رنگ شاخوں،پتوں، پھول اور پھل میں نمایاں ہو جاتے ہیں لیکن تخلیق کی طرز دیر پا نہیں جلد ہی یہ تخلیق پھر مٹی بن جاتی ہے پرندے بھی اسی مٹی سے بنے ہوئے ہیں۔ قوت پرواز حاصل ہو جانے کے بعد بھی مٹی سے رستگاری حاصل نہیں کر سکتے کیوں کہ وہ مٹی کے دائرہ کار سے باہر نہیں جا سکتے۔ جلد ہی مٹی کی کشش انہیں پھر مٹی بن جانے پر مجبور کر دیتی ہے۔

ڈرامہ

قلندر شعور کے حامل آزاد انسان کی نظر میں خیر خواہ دوست اور دشمن، شک و حسد کرنے والے پاکباز اور پاپی، بے لوث اور خود غرض، جانبدار اور غیر جانبدار سب کی حیثیت یکساں ہو جاتی ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ ہم صرف جاندار اشیاء ہیں اور کائنات جاندار اشیاء کے لئے صرف اسٹیج ہے۔ کائنات میں ہر فرد اپنا اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔

خوف

ایک جگہ سیلاب آیا جس میں سارا علاقہ ڈوب گیا۔ لیکن ایک ٹیلے پر پانی نہیں پہنچ سکا انسان اور ایک جنگل کے جانور کیڑے مکوڑے اس ٹیلے پر پناہ لینے کے لئے جمع ہو گئے۔ ایک شیر تیرتا ہوا اس ٹیلے کی طرف آیا اور کتے کی طرح ہانپتا ہوا لوگوں کے درمیان زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ اس قدر خوف زدہ تھا کہ اسے گرد و پیش کا ہوش نہیں تھا۔ ایک آدمی اطمینان سے رائفل لیکر اس کی طرف بڑھا اور اس کے سر پر گولی ماردی۔ خوف کے جذبے سے شیر اپنی درندگی کی صفت کو بھی بھول گیا اور خوف کے جذبے نے اسے بکری سے بھی زیادہ بزدل بنادیا۔

بارش

اپنی زندگی کو عشق ووفا کی چلتی پھرتی، منہ بولتی تصویر اور نمونہ بنادیجئے بلاشبہ ایسے افراد کو اللہ تعالٰی اپنے خاص بندوں کی صفت میں شامل کرلیتا ہے جس کا مشاہدہ رُوح کی آنکھیں اور رُوحانی لوگ کرتے ہیں۔ان مخصوص بندوں کا ایک سلسلہ ہے جس میں شامل ہونے کے بعد انسان کا دل، دماغ اور نفس مطمئن ہو جاتا ہے۔ایسے بندوں پر رحمتوں برکتوں اور انوار و تجلیات کی بارش ہوتی رہتی ہے۔

دور دراز

اگر فرد کے ذہن میں جنات اور فرشتوں سے متعلق اطلاعات کارد و بدل نہ ہو تو فرشتے جنات کا تذکرہ زیر بحث نہیں آئے گا۔ یہ الفاظ دیگر کائنات اور کائنات میں موجود جتنی بھی مخلوق ہے اس مخلوق کی خیالات کی لہریں ہمیں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ خیال کی منتقلی ہی دراصل کسی مخلوق کی پہچان کا ذریعہ بنتی ہے۔ انسان کا لاشعور کائنات کے دور دراز گوشوں سے مسلسل ایک ربط رکھتا ہے۔ کیوں کہ یہ ربط ہر وقت قائم ہے اس لئے ہم اپنے خیالات کو ایک نقطہ پر مرکوز کر کے اس ربط کے ذریعے اپنا پیغام کائنات کے دور دراز کے گوشوں تک پہنچا سکتے ہیں۔

اذان

ہر مذہب میں اپنے پیروکاروں کو متوجہ کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی طریقہ رائج ہے۔ کہیں گھنٹہ اور گھڑیاں بجاکر لوگوں کو پرستش اور عبادت کے لئے جمع کیا جاتاہے۔ تو کہیں سنکھ بجاکر پجاریوں کو پوجاپاٹ کی دعوت دی جاتی ہے۔اور لوگوں کوایک مرکزپر جمع کیا جاتاہے۔اسلام نےامت مسلمہ کوایک مرکزپر جمع کرنےاوراللہ کی پرستش کے لئے بلانے کاجو طریقہ واضح کیاہےاس کانام ”اذان“ ہے۔

بوڑھا

زندگی کے تمام اجزائے ترکیبی ایک طاقت کے پابند ہیں۔وہ طاقت جس طرح چاہے روک دیتی ہے اور جس طرح چاہے انہیں چلا دیتی ہے قلندر شعور کے بانی قلندر باباؒاولیاءؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگ نادان ہیں کہتے ہیں کہ ہماری گرفت حالات کے اوپر ہے ۔انسان اپنی مرضی اور منشاہ کے مطابق حالات میں ردوبدل کر سکتا ہے۔لیکن ایسا نہیں ہے اگر فی الواقع حالات کے اوپر انسان کو دسترس حاصل ہوتی تو کوئی آدمی غریب نہ ہوتا کوئی آدمی بیمار نہ پڑتا کوئی آدمی بوڑھا نہ ہوتا اور کوئی موت کے منہ میں نہ جاتا۔

حقیقت آگاہی

مینارۂ نور قلندر باباؒ اولیاءؒ نے اپنے پیچھے فکر کی وہ روشنی چھوڑی ہے جس کی راہ نمائی میں آج کے پراگندہ دل نسل اپنے مستقبل کو سنوار سکتی ہے۔ نوعِ انسانی جس ذہنی کشاکش اور دماغی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے اس کی اول وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر انبیاء کی طرزِ فکر کا انعکاس کم سے کم ہوتا جارہا ہے اور اس کے اپنے بنائے ہوئے مفروضہ حواس نے اسے حقیقت آگاہی سے محروم کردیا ہے۔

سچی خوشی

مادی اعتبار سے ہمیں یہ بھی علم نہیں ہے کہ سچی خوشی کیا ہوتی ہے۔اور کس طرح حاصل کی جاتی ہے۔ حقیقی مسرت سے واقف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی اصل کو تلاش کریں۔یہ معلوم کریں کہ پیدائش سے پہلے کہاں تھے اور مرنے کے بعد ہم کہاں چلے جاتے ہیں۔ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ حقیقی مسرت اور دائمی خوشی سے ہم آغوش ہونے کے لئے انسان کو سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ زندگی صرف جسمانی حرکات وسکنات پر نہیں ہے اس حقیقت پر ہے جس حقیقت نے خود اپنے لئے گوشت پوست کے جسم کو لباس بنالیا۔

رسوائی

زمین و آسمان اس کے اندر جو کچھ ہے سب کا سب انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔ قرآن واشگاف الفاظ میں کہتا ہے کہ لوہے میں انسانوں کے لئے بے شمار فائدے محفوظ ہیں۔ جن لوگوں نے لوہے کی صلاحیت کو تلاش کر لیا وہ لوگ قومی اعتبار سے عزت دار ہوں گے۔ مسلمان نے قرآن کی تعلیمات کو نظر انداز کیا تو پوری قوم ذلیل و خوار ہو گئی۔

ناسُور

دانشور اس بات پر متفق ہیں کہ بچے کی تربیت کا پہلا گہوارہ اس کا گھر ہوتا ہے بچہ جو سنتا ہے وہ بولتا ہے، جو دیکھتا ہے وہی اس کا علم بن جاتا ہے، آج کے دور میں ہم نہیں دیکھتے کہ دادی اماں نے کبھی کہا ہو کہ ہمارا تمہارا خدا بادشاہ، خدا کا بنایا رسولؐ بادشاہ۔ دن رات گانوں کی آوازیں ہمارے اعصاب پر محیط رہتی ہیں رات کو سونے سے پہلے ماں اپنے بچوں کا تلقین نہیں کرتی کہ کلمہ شہادت پڑھ کر سونا چاہئے۔ نہ کوئی باپ اپنی اولاد کو بیدار ہونے کے بعد کلمہ طیبہ پڑھنے کے لئے کہتا ہے کوئی نہیں کہتا کہ دولت پرستی انسانی زندگی کے لئے ناسور ہے۔

شعور لاشعور

پیراسائیکولوجی اور سائیکولوجی میں بنیادی فرق یہ ہے کہ نفسیات داں یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ شعور فکشن ہے حواس کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے دو سال کا بچہ ماں باپ کے کہے ہوئے الفاظ دہرا دیتا ہے جب کہ پیراسائیکالوجی کے علوم حواس کے پس پردہ علوم کی حقیقت منکشف کرتے ہیں یہ علوم بتاتے ہیں کہ زمانیت اور مکانیت کا شعور و حواس سے کیا تعلق ہے اور ان کا ذریعہ (SOURCE) کیا ہے۔

ممکن

پیراسائیکالوجی کی رو سے ماورائی طاقت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دماغ کی کارگردگی اور دماغ کے کمپیوٹر کو سمجھ لیا جائے ظاہر ہے کہ جب تک عملاًاس نظام سے الگ ہو کر دماغ کی طرف متوجہ نہیں ہونگے۔دماغ کی کارکردگی اور دماغ میں موجود مخفی صلاحیتیں ہمارے سامنے نہیں آئیں گی۔ان مخفی اور لامحدود صلاحیتوں سے آشنا ہونے کے لئے یہ امر لازم ہے کہ ہم اس بات سے واقف ہوں کہ مفروضہ حواس کی گرفت سے آزاد ہونا ممکن ہے۔

شماریات

انسان کیاہے ؟رُوح ہے۔رُوح کیاہے ؟اللہ کاامر ہے۔ذرا بھی تفکر سے کام لیاجائے تو یہ بات سورج کی طرح روشن ہے کہ ہم بحیثیت مجموعی اور بحیثیت فرد روح ہیں۔رُوح اللہ کاامر ہے۔امر اللہ کاارادہ ہے اور اللہ کاارادہ جب حرکت میں آجاتاہے تو کائنات کے مظاہر چھپنے لگتے ہیں۔اتنی تعداد میں چھپتے ہیں کہ دنیاکی شماریات عاجز ہیں۔

رابعہ بصری

اے میری ماں، میری بہن، میری لختِ جگر بیٹی! عورت اور مرد ایک اللہ کی تخلیق ہے۔ ہر مرد اور ہر عورت کے اندر ایک اللہ کی رُوح ہے۔ ہر عورت کے اندر بھی وہ تمام صلاحیتیں اور صفات موجود ہیں جو اللہ نے مرد کو ودیعت کی ہیں۔ جب ایک عورت رابعہ بصری بن سکتی ہے تو دنیا کی تمام عورتیں اپنے اندر اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کو بیدار کر کے اپنے نام اولیاء اللہ کی فہرست میں ثبت کرا سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا انعام عام ہے۔ آگے بڑھو اور اپنی رُوحانی طاقت سے نوعِ انسانی کے اوپر سے شیطانی غلبہ کو ختم کر دو۔

ذہنی یکسوئی

کوئی مسئلہ اس وقت تک قابل حل نہیں ہے جب تک صاحب مسئلہ خود اس مسئلے کو حل کرنے پر آمادہ نہ ہو ساری دعائیں۔ وظیفے اور دوائیں صرف ایک ہی کام انجام دیتی ہیں وہ یہ کہ سائل بیمار ہو یا پریشان حال اس کے اندر قوت ارادی میں اضافہ ہو اور اس کے اندر اتنی ول پاور (will power) پیدا ہو جائے کہ مسائل اور معاملات کی بھول بھلیوں سے نکل کر ذہنی یکسوئی کے ساتھ آزاد ہو سکے۔

کمپیوٹر

الفاظ کا سہارا لینا در اصل شعوری کمزوری کی علامت ہے اس لئے کہ شعور الفاظ کا سہارا لئے بغیر کسی چیز کو سمجھ نہیں پاتا۔ جب کوئی بندہ ٹیلی پیتھی کے اصول و ضوابط کے تحت خیالات کی منتقلی کے علم سے وقوف حاصل کر لیتا ہے تو اس کے لئے دونوں باتیں برابر ہو جاتی ہیں چاہے خیال الفاظ کا سہارا لیکر منتقل کیا جائے یا کسی خیال کو لہروں کے ذریعے منتقل کر دیا جائے۔ ہر آدمی کے اندر کمپیوٹر نصب ہے جو خیالات کو معنی اور مفہوم پہنا کر الگ الگ کر دیتا ہے اور آدمی اس مفہوم سے باخبر ہو کر اس کو قبول کرتا ہے یا رد کر دیتا ہے۔

زنجیر

پوری نوع انسانی کے افراد زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ وپیوستہ ہیں۔ایک کڑی کمزور ہو جائے تو ساری زنجیر کمزور ہو جاتی ہے۔ایک کڑی ٹوٹ جائے تو زنجیر میں جب تک دوسری کڑی ہم رشتہ نہ ہو جائے زنجیر نہیں کہلائے گی۔اتحاد ویگانگت ماضی کو پر وقار، حال کو مسرور اور مستقبل کو روشن اور تابناک بنانے کے لئے ہر کڑی کا دوسری کڑی کے ساتھ اتصال ضروری ہے۔

محکوم

قرآن باآواز بلند فرماتاہے کہ ''قرآن تسخیری فارمولوں کی کتاب ہے۔اقوام عالم میں ممتاز ہونے کے لئے اس میں غور کرو، تفکر کرو،اس کو جانواس کو پہچانو!آخر تم لوگ اللہ کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔''اللہ کی عظمت بزرگی اور صناعی کو سمجھنے کے لئے اس کی تخلیق اور نظام ربوبیت پر غور کرو۔ایجادات و ترقی اور علم وہنر کا جو سورج آج مغرب میں روشن ہے کبھی مشرق میں چمکتا تھا اور جب مشرقی اقوام بالعموم اور مسلمانوں نے بالخصوص علم وہنر کے اس سورج سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا تو علم وہنر نے بھی مسلمانوں سے اپنا رشتہ توڑ لیا۔

کفران

اگر تجھے کچھ یاد نہیں آتا تو سن! تو نے کفران عظیم کیا۔ تو نے جان بوجھ کر خود کو تکلیف و رنج کے حوالے کر دیا۔ آزادی کی نعمت ٹھکرا کر غلامی کا طوق اپنے گلے میں پہن لیا۔ پابندیوں کو اپنے پیروں کی بیڑیاں بنالیا تو نے اپنی لا متناہی صلاحیتوں کو تناہیت کے اندھیرے غاروں میں دھکیل دیا۔ تیری ان حرکتوں سے آسمان رو دیا اور فرشتوں نے ندامت سے سر جھکالیا۔

مرشد

عرفان نفس، معرفت الٰہیہ کا دروازہ انسان پر کھول دیتا ہے اور عرفان نفس کے حصول کے سلسلے میں اہل رُوحانیت کو جن مدارج سے گزرنا پڑتا ہے ان میں سب سے پہلا درجہ ''لا'' ہے یعنی سب سے پہلے انسان کو اپنی روایتی معلومات اور شعوری علم کی نفی کرنی پڑتی ہے اور پھر اس کے بعد رُوحانیت کے اسی راستے پر چلتے ہوئے انسان ایسے درجے پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس پر اپنی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے یعنی نفس کا عرفان حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے سالک کو ایک معیّنہ اور مقررّہ راستے پر سفر کرنے کے لئے شیخ یا مرشد کی رہنمائی لازمی ہے۔

ویرانہ

ایک ہی چیز ایک آدمی کے لئے خوشی اور دوسرے آدمی کے لئے غم کا باعث ہے۔ ایک چیز کے بارے میں مختلف لوگوں کی مختلف آراء ہوتیں ہیں حالانکہ حقیقت ایک اور صرف ایک ہو سکتی ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ ہماری نگاہ کے سامنے مظاہر میں ہر وقت تغیر ہوتا رہتا ہے۔ آبادی ویرانہ میں اور ویرانہ آبادی میں بدل جاتا ہے۔ یہ متغیر دنیا کس طرح حقیقی ہے جبکہ حقیقت میں تغیر نہیں ہوتا۔

طرز تفہیم

یہ بات ہمارے مشاہدے میں ہے کہ جب ہم کسی سے قربت چاہتے ہیں تو اس کی عادات و اطوار اختیار کر لیتے ہیں۔ اگر ہم نمازی سے دوستی کرنا چاہتے ہیں تو نمازی بن جاتے ہیں۔ تاش کھیلنے والے کے ساتھ دوستی کرنا چاہتے ہیں تو تاش کھیلنا شروع کر دیتے ہیں۔ علیٰ ہذالقیاس اگر ہم شیطان سے قربت کے خوگر ہیں تو شیطان کے اوصاف پسند کرتے ہیں اور اگر ہم رحمان سے قربت چاہتے ہیں تو رحمان کی صفات اختیار کرتے ہیں اور رحمان کی صفات یہ ہیں کہ وہ اپنی مخلوق کی خدمت میں ہمہ وقت مصروف ہے۔

سانس

دنیا کی ہر چیز ایک ڈگر پر چل رہی ہے۔نہ یہاں کوئی چیز اچھی ہے نہ بری ہے۔ایک بات جو کسی کے لئے خوشی کا باعث ہے وہی دوسرے کے لئے پریشانی اور اضمحلال کا سبب بن جاتی ہے۔یہ دنیا معانی اور مفہوم کی دنیا ہے جو جیسے معانی پہنا دیتا ہے اس کے اوپر ویسے اثرات مرتب ہو جاتے ہیں۔پھر کیوں دنیا کے جھمیلوں میں پڑ کر وقت کو برباد کیا جائے یہ جو دو چار سانس کی زندگی ہے اسے ضائع نہ کر۔

ہمارا دوست

ہم جب کائنات کی تخلیق پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ ہماری کائنات اللہ کی آواز ہے۔ اللہ نے جب اپنی آواز میں کن کہا تو ساری کائنات وجود میں آگئی۔ خدا جب اپنا تعارف کراتا ہے تو کہتا ہے کہ میں مخلوق کا دوست ہوں جس طرح ایک باپ اپنے بیٹے کو نہیں بھولتا اسی طرح خدا بھی اپنی مخلوق کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔ وہ خدا جو ہمارا رب ہے ہمارے لئے ہر طرح کے وسائل پیدا کرتا ہے ہمیں زندگی کے نئے نئے مراحل اور نئے نئے تجربات سے گزارتا رہتا ہے بلاشک وشبہ ہمارا دوست ہے۔

سُود

تاریخ بتاتی ہے کہ جن قوموں میں دولت پرستی عام ہوگئی وہ قومیں صفحہ ءہستی سے مٹادی گئیں۔ قومیں گناہوں سے نیست و نابود نہیں ہوتیں۔گناہ تو معاف کردیئے جاتے ہیں شرک ایک ایسا گناہ ہے جو کسی صورت معاف نہیں کیاجاتااور دولت پرستی سب سے بڑاشرک ہے۔اس شرک کو مہمیز دینے والے بڑے عوامل میں سے ایک گھناؤنا عمل سود ہے۔سود جو رزق کو حرام کردیتاہے۔

محبوب

بچہ چھوٹا ہوتا ہے تو اپنے ماں باپ کو پیار کرتا ہے پھر اپنے بہن بھائی کو اور جیسے جیسے بڑا ہوتا ہے وہ اپنے کنبے، سماج، فرقے، ملک قوم اور نوعِ انسانی سے پیار کرنا شروع کر دیتا ہے، لیکن اس کے باوجود مطمئن نہیں ہوتا اس کے اندر محبت اور پیار کی تشنگی باقی رہتی ہے آج کا بچہ کل کا بوڑھا ہونے تک پیاسہ ہی رہتا ہے اور یہ تشنگی اس وقت تک نہیں بجھتی جب تک وہ نہیں جان لیتا کہ سچا، بے غرض اور عظیم والشان محبوب کون ہے پیار کی پیاس اس وقت بجھ جاتی ہے جب ہم اپنے لازوال محبوب جل جلالہ کو آنکھ سے دیکھ لیتے ہیں۔

صراط مستقیم

جو لوگ خود شناسی سے آگے اللہ کے راستے پر قدم اٹھا چکے ہیں ان کے اوپر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ انسانوں کو اس راستے پر چلنے کی دعوت دیں جو صراط مستقیم ہے اور جس راستے پر چلنے والے لوگوں پر انعام کیا جاتا ہے اور ان کے اوپر عرفان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ان ہی کاموں کو انجام دینے کے لئے خدا نے آپ کو ''خیر اُمت'' کے عظیم لقب سے سرفراز کیا ہے۔

مہربانی

ایک دفعہ کچھ جنگی قیدی گرفتار ہو کر آئے ان میں ایک عورت بھی تھی جس کا دودھ پیتا بچہ اس سے بچھڑ گیا تھا وہ ماتا کی ماری ایسے بے قرار تھی کہ جس چھوٹے بچے کو دیکھتی اسے اپنے سینے سے لگا کر دودھ پلانے لگتی۔اس عورت کا یہ حال دیکھ کر حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا"کیا تم توقع کر سکتے ہو کہ ماں اپنے بچے کو اپنے ہاتھ سے آگ میں پھینک دے گی؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! خود پھینکنا تو در کنار، اگر بچہ آگ میں گرنے لگے تو یہ اپنی جان دے کر بھی بچے کو بچالے گی۔" نبیؐ برحق نے فرمایا:"خدا اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے۔"

نشیب و فراز

انسان ایسی زندگی چاہتا ہے جو فنا سے ناآشنا ہو۔ایسی صحت چاہتا ہے جو بیماریوں سے متاثر نہ ہو،ایسی جوانی چاہتا ہے جو بڑھاپے میں تبدیل نہ ہو لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا۔جوانی بڑھاپے میں تبدیل ہو جاتی ہے صحت و تندرستی کے اوپر بیماریوں کا غلبہ بہر حال ہوتا رہتا ہے۔انسان زندگی کے نشیب و فراز سے کتنا ہی فرار چاہے کامیاب نہیں ہوتا۔اس لئے کہ دنیا میں کوئی چیز بے ثباتی سے خالی نہیں۔

سلامتی

پریشان حالی اور درماندگی نے ہشت پابن کر نوع انسانی کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ درآنحالیکہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں نوع انسانی وہ مخلوق ہے جو اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے حامل ہے جن کے متحمل ہونے سے سماوات، ارض و جبال نے عاجزی کا اظہار کر دیا تھا۔ قانون قدرت ہے کہ جب کوئی قوم صراط مستقیم سے بھٹک جاتی ہے تو وہ امتحان کی چکی میں پسنے لگتی ہے۔ تاکہ صعوبتوں، پریشانیوں اور عدم وتحفظ کے زہریلے احساس سے محفوظ رہنے کے لئے وہ راستہ تلاش کرے جو فلاح اور سلامتی کا راستہ ہے۔

سریلی آواز

گفتگو میں آدمی کا عکس جھلکتا ہے۔خوش آواز آدمی کے لئے اس کی آواز تسخیر کا کام کرتی ہے۔جب بھی کسی مجلس میں یا نجی محفل میں بات کرنے کی ضرورت پیش آئے وقار اور سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کیجئے مسکراتے ہوئے نرمی کے ساتھ میٹھے لہجے میں بات کر نے والے لوگوں کو مخلوق عزیز رکھتی ہے۔چیخ کر بولنے سے اعصاب میں کھنچاؤ Tension پیدا ہوتا ہے اور اعصابی کھنچاؤ سے بالآخر آدمی دماغی مریض بن جاتا ہے۔

سمندر

اللہ تعالیٰ کی ذات لا متناہی ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم بھی لا متناہی ہے آدم کو اللہ نے جو علم عطا کیا وہ بھی لا متناہی ہے۔یہ علم سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔جب آدم کی حیثیت فرشتوں سے افضل قرار پا گئی تو کائنات میں موجود تمام انواع و موجودات سے آدم افضل ہو گیا۔اس لئے کہ آدم کے پاس لا متناہی صفاتی علم ہے۔اللہ کی صفات کیا ہیں؟اللہ بحیثیت ذات خالق ہے اور اللہ کی تمام صفات بحیثیت خالق کائنات کے تخلیقی عناصر اور تخلیقی فارمولے ہیں۔یہی وہ امانت ہے جو آدم کو اللہ نے اپنی رحمت خاص سے عطا فرمائی ہے۔

بری بات

اللہ نے ایک تصویر بنائی، ایسی خوبصورت تصویر جو اپنے توازن اعتدال، معین مقداروں، رنگ وروپ، جذبہ وکشش اور حسن کے معیار میں منفرد ہے، یکتا ہے، بے مثال ہے، یہ تصویر دیکھتی بھی ہے، سنتی بھی ہے، بولتی بھی ہے محسوس بھی کرتی ہے اور دوسروں کا دکھ درد بھی بانٹتی ہے۔ اگر کوئی بندہ اس تصویر کو داغ دار کرنا چاہے اور اپنے ظلم وجہالت سے تصویر کو خراب کر دے تو یقیناً یہ سب سے بری بات ہے۔

محدود

فعل و عمل میں اپنی ذات کو اولیت دے کر جو خول وجود میں آتا ہے وہ انسان کا رشتہ لازمانیت اور لامکانیت سے منقطع کر دیتا ہے۔ وہ ایک محدود دائرے کے اندر سوچتا سمجھتا اور محسوس کرتا ہے۔ کائنات ایک ماوراء الماورا اور لامحدود ہے جن لوگوں نے اپنے اعمال و افعال کا مرکز و منتہا اللہ کو بنالیا اور خود کو لامحدود ہستی کے حوالے کر دیا ہر چیز کو اللہ کے واسطے سے پہچانتے ہیں۔ ان کے اندر الہٰی رُوح آشکار ہو جاتی ہے۔

ضابطہ حیات

قرآن مجید ہمیں ایسی اخلاقی اور روحانی قدروں سے آشنا کرتا ہے جن میں زمان و مکان کے اختلاف سے تبدیلی نہیں ہوتی اور ایسے ضابطہ حیات سے متعارف کراتا ہے جو دنیا میں رہنے والی ہر قوم کے لئے قابل عمل ہے۔ اگر قرآن کی بتائی ہوئی اخلاقی اور روحانی قدریں سوئیزرلینڈ کی منجمد فضاؤں میں زندہ اور باقی رہنے کی صلاحیت رکھتی ہیں تو افریقہ کے تپتے ہوئے صحرا بھی ان قدروں سے مستفیض ہوتے ہیں۔

ورائے بے رنگ

ہر پیدا ہونے والی شئے میں کسی نہ کسی رنگ کا غلبہ ضرور ہوتا ہے۔ کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جو بے رنگ ہو۔ یہ رنگ اور بے رنگ دراصل خالق مخلوق کے درمیان ایک پردہ ہے۔ خالق کو مخلوق سے جو چیز الگ اور ممتاز کرتی ہے وہ رنگ ہے۔ انسان کے اندر جب تخلیقی صفات کا مظاہرہ ہوتا ہے یا اللہ اپنے فضل سے تخلیقی صلاحیتوں کا علم بیدار کر دیتا ہے تو بندے کے اوپر یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ کوئی بے رنگ خیال جب رنگین ہو جاتا ہے تو تخلیق عمل میں آجاتی ہے۔ اللہ بحیثیت خالق ورائے بے رنگ ہے۔

شہد کا پیالہ

آیئے ! سراغ لگائیں کہ وہ کون سے اسباب ہیں جن کی وجہ سے دشمن حاکم اور ہم محکوم بن گئے ہیں۔ دو وجوہات ہیں۔ دنیا کی محبت اور مرنے کا خوف۔ ایک باہمت اور بہادر انسان جس کا دل خالق کائنات کی محبت میں سرشار ہے موت کے کرخت وجود کو اپنے سامنے دیکھ کر مسکراتا ہے۔ تاریخ میں ایسے بے شمار افراد کا تذکرہ ملتا ہے جنہوں نے جام شہادت اس طرح ہنستے مسکراتے پی لیا جیسے شہد کا پیالہ ہو۔

شوہر

بیوی کی اہمیت و عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ احسن الخالقین کی ایسی صنعت ہے جس کو اللہ نے تخلیق آدمیت اور اس کی نشو و نما کا مظہر بنادیا ہے۔ شوہروں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ پوری فراخ دلی کے ساتھ رفیقہ ٔحیات کرنے کے لئے جد وجہد اور دوڑ دھوپ کرنا پاکیزہ عمل ہے۔ اس عمل کو انجام دینے سے نہ صرف یہ کہ دنیا میں ازدواجی زندگی کی نعمت ملتی ہے بلکہ اچھا اور مخلص شوہر آخرت میں بھی اجر و انعام کا مستحق بنتا ہے۔

روشن لفظ

یہاں ہر چیز لہروں کے دوش پر رواں دواں ہے، یہ لہریں جہاں زندگی کو خوش آرام بناتی ہیں۔ مصیبت وابتلا میں بھی مبتلا کر دیتی ہیں۔ نور کے قلم سے نکلی ہوئی ہر لکیر نور ہے اور نور جب مظہر بنتا ہے تو روشنی بن جاتا ہے روشنی کم ہو جائے تو اندھیرا ہو جاتا ہے۔ آدم نے اس اندھیری دنیا میں قید ہونے کو معراج سمجھ لیا ہے۔ وہ اس بات پر خوش ہے کہ اسے روشنی کے سمندر سے چند قطرے مل جائیں۔

گرم لہریں

محبت پر سکون زندگی اور اطمینان قلب کا ایک ذریعہ ہے اس لئے کوئی انسان جس کے اندر محبت کی لطیف لہریں دور کرتی ہیں وہ مصائب و مشکلات اور پیچیدہ بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔اس کے چہرے میں ایک خاص کشش پیدا ہو جاتی ہے۔اس کے بر خلاف نفرت کی کثیف،شدید اور گرم لہریں انسانی چہرہ کو جھلسا دیتی ہیں اور دماغ کو اتنا بوجھل اور تاریک کر دیتی ہیں کہ زندگی میں کام آنے والی لہریں مسموم اور زہریلی ہو جاتی ہیں اس زہر سے انسان طرح طرح کے مسائل اور قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

نجوم

عالم رنگ وبو میں جتنی بھی مخلوق ہے وہ سب آپس میں ایک برادری ہے۔ کہکشانی سیارے ہوں یا اُن سیاروں میں بسنے والی نوعیں یا نوعوں میں الگ الگ افراد ہوں۔ سب کے اندر ایک ہی خون دور کر رہا ہے۔ سب کی پیدائش ایک ہی فارمولے کے تحت عمل میں میں آرہی ہے۔ سمندر، پہاڑ، آفتاب و نجوم سب انسان کے بھائی ہیں۔

قلب

مٹی صرف خود کو پہچانتی ہے اور اپنے ایک ایک عضو کو اپنی کوکھ سے وابستہ رکھتی ہے۔ مٹی کو اگر ایک فردمان لیا جائے تو مٹی سے پیدا ہوئی ہر چیز مٹی کے اعضا ہیں۔ تانبا، لوہا، جواہرات، سونا، چاندی وغیرہ مٹی کے وہ اعضاء ہیں جن پر مٹی کا تشخص قائم ہے۔ آدمی کا جسم بھی مٹی ہے لیکن آدمی چونکہ اللہ کی امانت کا امین ہے اس لئے مٹی کا شعور آدمی کو دوسرے اعضا کے مقابلے میں اپنا قلب سمجھتا ہے اور جب کسی جسم میں قلب متاثر ہو جاتا ہے۔ تو بالآخر جسم مفلوج اور ناکارہ بن جاتا ہے مفلوج اور ناکارہ جسم کی حیثیت زمین پر بوجھ کے سوا کچھ نہیں رہتی۔

ٹائم اینڈ اسپیس

اللہ کے جو بندے رُوحانی آگہی کے ناپیدا کنار سمندر میں اتر جاتے ہیں ان کے اوپر سے ٹائم اسپیس کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے اور زمان سے پیدا شدہ تمام عوامل رنج و غم، پریشانی و اضمحلال، تفکر و تردد سے اپنا رشتہ منقطع کر لیتے ہیں۔ جب کوئی بندہ اس دائرہ کار میں منتقل ہو جاتا ہے تو اس کے اوپر انعام و اکرام کی بارش ہونے لگتی ہے اور ساری کائنات اس کے گرد گھومتی ہے۔

فلم

عالم انسانی کے قدسی نفس حضرات وہ ہیں جو اپنے اندر کام کرنے والے کہکشانی نظام سے باخبر ہوتے ہیں۔جب کوئی بندہ اپنے INNER سے واقف ہو جاتا ہے اور آنکھوں کے سامنے سے Time and Space کا پردہ اٹھ جاتا ہے تو وہ دیکھ لیتا ہے کہ سب کچھ اُس کے اندر ہے۔انسان کے اندر ایک نقطہ ہے اور یہ نقطہ کائنات کی مائیکرو فلم ہے۔اس نقطہ کو جب پھیلنے اور نشر ہونے کا موقع دیا جاتا ہے تو ساری کائنات دماغ کی اسکرین پر فلم بن کر متحرک ہو جاتی ہے۔

قرآن

نوع انسانی کے لئے معاشرتی، علمی، اخلاقی اور رُوحانی ترقیوں کے اصول و قواعد کھول کھول کر قرآن حکیم میں لکھ دیئے گئے ہیں ۔قرآن نوع انسانی کا ورثہ ہے۔نوع انسانی میں جو قوم اس ورثہ سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے قرآن اس کی رہنمائی کرتا ہے اور جو قوم اس ورثہ سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتی قرآن اس کی رہنمائی نہیں کرتا۔

کندن

کائنات کی تخلیق دورخوں پر کی گئی ہے۔ایک رُخ سے دوسرا رُخ ایک مرحلہ ہے اور ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں قدم رکھنا ایک امتحان ہے۔آپ ذرا اس بچے کا تصور کیجئے جو کمرہ امتحان میں بیٹھ کر جب پرچہ سامنے آئے تو بجائے پرچہ حل کرنے کے رونا شروع کر دے،فریاد کرنے لگے اور احتجاج کرے کہ میرا امتحان کیوں ہو رہا ہے۔نشو و نما اور انسانیت کی فلاح اور ترقی کندن ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے۔امتحان کی بھٹیوں سے گزر کر ہی سونا کندن بنتا ہے۔نوعِ انسانی ان بھٹیوں سے نہ گزری ہوتی تو آج بھی لوگ غاروں میں مکیں ہوتے۔

ماحول

یہ بات کس کے علم میں نہیں ہے ؟آدمی اگر پچاس کمروں کا مکان بھی بنانے تو سوئے گا وہ ایک چار پائی کی جگہ۔ ہوسِ زر میں اگر سونے چاندی کے خزانے جمع کرے مگر پیٹ کے ایندھن کے طور پر وہ دو ہی روٹی کھاتا ہے۔ مصنوعی روشنیوں اور خوشبوؤں سے ماحول کو کتنا ہی رنگین اور معطر کر لیا جائے آدمی کے اندر موجود سڑاند کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔

کاروبار

مسلمانوں کے پاس روحانی علوم کا جتنا بڑا سرمایہ موجود ہے وہ اسی مناسبت سے مفلوک الحال ہے مسلمان کے اسلاف نے اس کے لئے حاکمیت اور تسخیرِ کائنات کے بڑے بڑے خزانے ترکے میں چھوڑے ہیں لیکن مسلمان وہ بدنصیب قوم ہے جس نے ہیرے کو پتھر کہہ کر پھینک دیا اور اس خزانے سے مستفیض ہونے کی صلاحیت کھو بیٹھا ہے۔یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ مصلحتوں کے پیش نظر مسلمان کو تفکر کی راہ سے ہٹادیا گیا ہے اس کے سامنے ایسی نہج آگئی جہاں اس کا ہر عمل کاروبار بن گیا ہے۔

موت کی آنکھ

انسان پیدائش کے بعد سے بڑھاپے تک مسلسل ایک جنگ لڑتا رہتا ہے۔ وہ ہر حال میں فتح یاب ہو کر سُرخ رو ہونا چاہتا ہے لیکن بالآخر جیت بڑھاپے کی ہوتی ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ موت بڑھاپے کے اوپر چھا جاتی ہے۔ حیات کی ابتداء کتنی ہی شاندار کیوں نہ ہو ہر آن اور ہر لمحہ انسان کو موت کی آنکھ گھورتی رہتی ہے۔

قائم ودائم

پیدائش سے موت تک کی زندگی کا احاطہ کیا جائے تو یہی نظر آتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں پیدائش کے بعد ایام رضاعت (بچپن) میں لڑکپن میں جوانی اور بوڑھاپے میں اللہ وہ تمام ضروریات اور وسائل فراہم کرتا ہے جن کی آدمی کو ضرورت پڑتی ہے سورج چاند یا زمین کے اندر وسائل پیدا کرنے کی صلاحیت ایک مرکز کے تحت آدمی کی خدمت گزاری میں مصروف ہے۔ خدمت کا یہ سلسلہ ایک مخصوص نظام اوقات اور قانون کے تحت قائم ودائم ہے ایسا قانون جو اللہ نے خود بنایا ہے اور خود اس کو جاری رکھے ہوئے ہیں

مشاہدہ

اللہ کی طرز فکر یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی خدمت کرتا ہے اور اس خدمت کا کوئی صلہ نہیں چاہتا بندہ جب اختیاری طور پر اس طرز فکر کو اختیار کر لیتا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ کی مخلوق کے کام آئے تو اسے قلندر شعور منتقل ہو جاتا ہے اس کے مشاہدات میں بے شمار ایسے واقعات آتے ہیں کہ اس کے اندر یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے جو کچھ ہو چکا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے وہ سب ایک فلم ہے۔

کسان

ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی مخلوق پرندے اربوں کھربوں کی تعداد میں دانہ چگتے ہیں لیکن یہ معمہ حل نہیں ہوتا کہ کسان جب کھیتی کاٹتا ہے تو ایک دانہ نہیں چھوڑتا ان پرندوں کے لئے کوئی مخصوص کاشت نہیں ہوتی تو پھر یہ پرندوں کے لئے کوئی مخصوص کاشت نہیں ہوتی تو پھر یہ پرندے کہاں سے کھاتے ہیں؟ قانون یہ ہے کہ پرندوں کا غول جب زمین پر اس ارادے سے اترتا ہے کہ ہمیں دانہ چگنا ہے تو اس سے پہلے کہ ان کے پنجے زمین پر لگیں قدرت وہاں دانہ پیدا کر دیتی ہے۔ اگر پرندوں کی غذا کا دار و مدار کسان پر ہوتا تو سارے پرندے بھوک سے مر جاتے۔

لفظ

اللہ کی عظمت کااندازہ کون کر سکتا ہے۔ایک لفظ میں ساری کائنات کو سمودیا ہے اس لفظ میں اربوں کھربوں بلکہ انگنت عالم بند ہیں۔ یہ لفظ جب عکس ریز ہوتا ہے تو کہیں عالم ملکوت وجبروت آباد ہو جاتے ہیں اور کہیں کہکشانی نظام اور سیارے مظہر بن جاتے ہیں ۔کتنی اہم بات ہے یہ لفظ ہر آن ہر لمحہ نئی صورت میں جلوہ فگن ہو رہا ہے۔

کم وسعت

زمین میں بہت سی جڑی بوٹیاں ایسی پائی جاتی ہیں جن کے بیج خشخاش سے بیس گنا چھوٹے ہوتے ہیں قدرت نے ان کے اندر دو جڑی ہوئی پتیاں ڈنڈی جو جڑیں بن کر زمین پر پیوست ہو جاتی ہیں۔ایک گرہ جو ڈنڈی بنتی ہے اور اس بیج میں جڑ پکڑنے سے پہلے چند روز کی غذا محفوظ رکھتی ہے۔اے عقل والو، غور کرو! تدّبر کے ساتھ کائنات کے اندر جھانک کر دیکھو اور اندازہ لگاؤ کہ اتنے کم وسعت بیج میں جب قدرت نے زندگی کا اتنا بڑا ذخیرہ محفوظ کر دیا ہے تو اللہ کے نائب انسان میں کتنے خزانے محفوظ ہوں گے۔

مذہب

نماز، روزہ، حج، زکوۃ اپنی جگہ اہم ہیں، فرض ہیں، ضروری ہیں اسلئے کہ ان ارکان کی ادائیگی سے رُوح کو تقویت ملتی ہے رُوحانی صلاحیتیں متحرک اور بیدار ہوتی ہیں لیکن یہاں معاملہ الٹا اور برعکس ہے کہ یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ رُوح کی صلاحیتیں ہمارے اندر موجود بھی ہیں یا نہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم عمل تو کرتے ہیں عمل کی حقیقت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

شان وشوکت

انفرادی یااجتماعی جہد وجہد کے نتیجے میں ترقی نصیب ہوتی ہے اور انفرادی یااجتماعی تساہل یا عیش پسندی کے نتیجے میں قوموں کو عروج کے بجائے زوال نصیب ہوتا ہے۔ ترقی کے یہی دورخ ہیں توقیر کی ایک حالت یہ ہے کہ کسی فرد یا کسی قوم کو دنیاوی عزت، دنیاوی دبدبہ اور دنیاوی شان وشوکت نصیب ہو۔ ترقی کا دوسرا رخ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ظاہری حالت میں رہتے ہوئے جس فرد یا قوم کی رسائی غیب کی دنیا تک ہوتی ہے دراصل وہی اصلی ترقی اور شان وشوکت ہے۔

شاگرد

ہم پیدا ہونے سے پہلے کہاں تھے؟ اس کا آسان سا جواب یہ ہے کہ پیدا ہونے سے پہلے تمام انسان، حیوانات عالم ارواح میں موجود تھے۔ عالم ارواح سے منتقل ہو کر عالم ناسوت (مادی دنیا) میں آ گئے لیکن جب ہم عالم ارواح کا تذکرہ کرتے ہیں۔ تو یہ بات تشریح طلب بن جاتی ہے کہ عالم ارواح کیا ہے؟ عام ارواح کا علم لا متناہی علم ہے لیکن اللہ نے جن لوگوں کو یہ علم عطا کیا وہ اس علم سے روشناس ہیں اور علم اپنے شاگردوں کو منتقل کر دیتے ہیں۔

زندگی

قلندر شعور وہ تمام بت پاش پاش کر دیتا ہے جو انسان کو ماحول سے ورثے میں ملتے ہیں، بے یقینی کا بت، بھوک وافلاس سے خوف کا بت موت کے ڈر کا بت عزت اور بے عزتی کا بت۔ طلسماتی دنیا زیر اور زبر ہو جاتی ہے تو انر inner میں یقین کا ایک ایسا پیٹرن بن جاتا ہے جہاں نظر اللہ کے سوا کچھ نہیں دیکھتی دل اللہ کے سوا کسی اور کو محسوس نہیں کرتا جہاں علم بے عمل جہالت ہے اور جہاں بے یقینی شرک ہے اور یقین جاودانی زندگی ہے۔

شراب

پانی اور مے کوئی الگ الگ چیز نہیں ہے۔ پانی ہو یا شراب دونوں ایک ہی فارمولے کے تحت وجود میں آتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پانی میں تخلیقی فارمولے براہ راست کام کر رہے ہیں اور شراب تخلیقی فارمولوں میں ردوبدل کے ساتھ بنتی ہے شراب کے نام پر لوگ جھگڑتے ہیں آخر وہ کیوں ان رموز و نکات پر غور نہیں کرتے شراب مٹی ہے، ساغر بھی مٹی ہے۔ ہم خود مٹی ہیں ہم ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں تو ہماری مٹی سے پھر ساغر بن جاتا ہے۔

خلا

قرآن کی آیتوں میں تفکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر علم کی بنیاد روشنی ہے لیکن آدمی تو یہ بھی نہیں جانتا کہ روشنیاں طبیعت اور ماہیت رکھتی ہیں اور روشنیوں میں رجحانات بھی ہوتے ہیں۔اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ روشنیاں ہی زندگی ہیں۔روشنیاں ہی زندگی کی حفاظت کرتی ہیں۔آدمی صرف مٹی کے پتلے سے واقف ہے،اس پتلے سے جس کے اندر اس کی اپنی کوئی زندگی موجود نہیں جو سڑاند اور خلا سے بنا ہے اور اس کے اندر اپنی ذاتی کوئی حرکت موجود نہیں ہے۔

خسارہ

آسمان علم آگہی کے خورشید منفرد اور تسخیرِ کائنات کے فارمولوں کے ماہر حضرت شیخ عبدالقادری جیلانیؒ فرماتے ہیں:
اے منافقو! کلام نبوت سنو۔ آخرت کو دنیا کے عوض فروخت کرنے والو! حق کو مخلوق کے عوض بیچنے والو، باقی کو فنا کے بدلے کاروبار کرنے والو، تمہارا بیوپار سراسر خسارے کا سودا ہے، تمہارا سرمایہ تمہیں بربادی کے گڑھے میں دھکیل رہا ہے۔ افسوس تم پر، تم اللہ کے غضب کا ہدف بن رہے ہو۔

تفکر

موجودہ نسل اتنی باشعور ہو چکی ہے کہ اس کے لئے کوئی بات اس وقت قابلِ قبول ہے جب اُسے فطرت کے مطابق پیش کیا جائے۔ سائنس کی ترقی نے انسانی ذہن کو بڑی حد تک بالغ کر دیا ہے ہماری نسل کے بالغ اور باشعور افراد جب اپنے اسلاف کے ورثہ ءعلم کو فطری قوانین اور سائنسی توجیہات کے مطابق سمجھنا چاہتے ہیں تو انہیں یہ کہہ کر خاموش کر دیا جاتا ہے کہ مذہب چون وچرا نہیں چاہتا حالانکہ قرآن ہر ہر قدم پر تفکر کی کھلی دعوت دے رہا ہے۔

تحقیق

سائنسی تجربات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نباتات جمادات، حیوانات اور انسان ایک برقی نظام کے تحت رَواں دَواں ہیں۔انسانی جسم سے حاصل ہونے والی ایک بجلی کی طاقت ٹارچ یا جیبی ریڈیو چلانے کے لئے کافی ہے۔یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ کسی درخت کے پتے پر مکھی بیٹھ کر اُس کے ریشوں کو حرکت دیتی ہے تو اس پتے میں برقی رَو دوڑنے لگتی ہے ۔اسی طرح انسان کے اندر بجلی پیدا ہوتی رہتی ہے اور پورے جسم میں دور کر کے اَرتھ ہو جاتی ہے۔

حیوان اور غیر ناطق

انسان ایک ایسا حیوانِ ناطق ہے جو الفاظ کی لہروں کے ذریعے اپنے خیالات دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دوسرے حیوان جن کو حیوانِ غیر ناطق کہا جاتا ہے اپنے خیالات الفاظ کا سہارا لئے بغیر دوسروں تک منتقل کرتے ہیں اور دوسرے حیوان ان خیالات کو قبول کرتے اور سمجھتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ الفاظ کا سہارا لئے بغیر بھی خیالات اپنے پورے معنی اور مفہوم کے ساتھ منتقل ہوتے رہتے ہیں۔

بہاؤ

روزہ جسمانی امراض کا مکمل علاج ہے اور روحانی قدروں میں اضافہ کرنے کا ایک موثر عمل ہے۔ برائیوں سے بچنے کے لئے ایک ڈھال ہے۔ روزہ رکھنے سے جسمانی کثافتیں دور ہو جاتی ہیں اور آدمی کے اندر لطیف روشنیوں کا بہاؤ تیز تر ہو جاتا ہے۔ روشنیوں کے تیز بہاؤ سے آدمی کے ذہن کی رفتار بڑھ جاتی ہے اتنی بڑھ جاتی ہے کہ آدمی کے سامنے فرشتے آجاتے ہیں۔ اور غیب کی دنیا میں خود کو چلتے پھرتے دیکھ لیتا ہے۔

خوشی

خدا وہ ذات ہے اور رب وہ ہستی ہے جو سب کے دل میں موجود ہے جس طرح دل کی حرکت کے بغیر زندگی کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا اس طرح خدا کے بغیر دل کی حرکت کا تصوّر بے معنی ہے۔ خدا سب کا دوست ہے اور ایسا دوست ہے جو بار بار ہر ہر جنم میں، پنگوڑے میں، لڑکپن میں، جوانی میں، بوڑھاپے میں ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ جہاں ہم ایک ہوں وہاں دوسرا خدا ہے جہاں ہم دو ہیں وہاں تیسرا خدا ہے۔

دافعِ بلیّات

مطالعہ کائنات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن میں وضو، نماز، صوم وزکوٰۃ،حج طلاق وغیرہ وغیرہ پر ڈیڑھ سو آیات ہیں تسخیری فارمولوں اور مطالعہ کائنات کے متعلق سات سو چھپن آیتیں ہیں۔قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس میں چھوٹی سی چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے لیکن مسلمان نے جب اس کتاب کو محض آفات وبلیات سے نجات کا ذریعہ سمجھ لیاہے اس کتاب کے اندر تسخیری فارمولوں اور کائناتی اسرار ورموز سے محروم ہو گیا۔

سچ اور جھوٹ

انسان دراصل ایک درخت ہے اور اس کی زندگی کے اعمال و کردار اس درخت کے پھل ہیں۔ درخت اپنی جڑ سے نہیں اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ یہی صورت حال انسانی اعمال کی ہے صداقت کا فیصلہ ماخذ سے نہیں اس کے نتائج سے مرتب ہوتا ہے انسان کا خود اپنا عمل اس کا یقین ہے کہ وہ خود سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ کسی عمل کو پرکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ یہ عمل معاشرہ پر کس طرح اثرانداز ہو رہا ہے۔ اگر اس عمل میں سچائی گہرائی اور فطرت موجود ہے تو یہ عمل صحیح اور سچا ہے۔

ذاتی وصف

جب ہم عقل و شعور کا موازنہ کرتے ہیں تو کوئی آدمی ہمیں زیادہ باصلاحیت نظر آتا ہے، کوئی آدمی کم صلاحیت اور کوئی آدمی بے عقل ہوتا ہے۔ سائنس خلاء میں چہل قدمی کا دعویٰ کر سکتی ہے لیکن ایسی کوئی مثال سامنے نہیں آئی کہ بے عقل آدمی کو عقل مند بنا دیا گیا ہو اللہ ہی اپنی مرضی سے عقل و شعور بخشتا ہے، آدمی کے اندر فکر و گہرائی عطا کرتا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا ذاتی وصف ہے۔ لیکن جب وہ فکر و گہرائی اُن سے چھین لی جاتی ہے تو اس وقت وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

صناعی

موجودات میں ہر چیز کی بنا (Base) پانی ہے جو صعود و نزول میں رواں دواں ہے۔ماں کے پیٹ میں یہی پانی شکل بدل کر بچے کی غذا بنتا ہے۔ پھر یہی پانی دودھ بن جاتا ہے، آم کے درخت میں آم، بیر کے درخت میں بیر، سیب کے درخت میں سیب اور کیلے کے درخت میں کیلا بنتا رہتا ہے یعنی میٹر یا مادہ ایک ہے مختلف درختوں میں جا کر مختلف صورت میں جلوہ گر ہو رہا ہے۔ یابدیع العجائب! یہ کیسی صناعی ہے اور کیسی عظیم الشان خود مختار قدرت ہے۔

حاکمِ اعلیٰ

جب کسی بندے کے اندر یہ بات یقین بن جاتی ہے کہ اس کائناتی نظام میں ہر چھوٹی سے چھوٹی حرکت اور بڑی سے بڑی شئے اللہ کے بنائے ہوئے نظام کے تحت قائم ہے تو اس کے اندر ایک یقین کا پیٹرن بن جاتا ہے۔ اس پیٹرن کو جب تحریکات ملتی ہیں اور زندگی میں مختلف واقعات پیش آتے ہیں تو ان واقعات کی کڑیاں اس قدر مضبوط، مستحکم اور مربوط ہوتی ہیں کہ آدمی یہ سوچنے اور ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کائنات کا حاکم اعلیٰ اللہ ہے۔

عالمین

زندگی کی اچھی دستاویز رکھنے والا انسان خدا کے ساتھ قریبی تعلق رکھتا ہے اور خدا کی قربت سے لُطف اٹھاتا ہے۔ خدا کا ملاپ اسے بے طلب اور بے توقع ملتا ہے۔ وہ زندگی کی ہر سانس میں خدا سے قربت محسوس کرتا ہے، خدا کو اپنے اندر جلوہ گر دیکھتا ہے، جو خدا کہتا ہے وہ سنتا ہے جو کچھ خدا سے کہتا ہے خدا اُسے قبول کرلیتا ہے۔ پھر اس پر زندگی کے وہ راز منکشف ہوتے ہیں جو عالمین کو معلوم نہیں۔

جھاڑو

ہر آدمی یہ بات جانتا اور سمجھتا ہے کہ خاندان کے افراد جب تک مل جُل کر یک جائی جذبات کے ساتھ رہتے ہیں ان کی ایک حیثیت ہوتی ہے۔ان کی اپنی ایک آواز ہوتی ہے۔ان کی ایک اجتماعی قوت ہوتی ہے، جھاڑو کے تنکے الگ الگ کر دیئے جائیں اور ہر تنکے سے الگ الگ ضرب لگائی جائے چاہے اس کی تعداد ایک ہزار تک ہو، چوٹ نہیں لگتی۔ لیکن ایک ہزار تنکوں کو ایک جگہ باندھ کر چوٹ لگائی جائے تو جسم پر نیل پڑ جائے گا۔

آفات

دنیا میں افراتفری کا ایک عالم برپا ہے۔ ہر شخص کسی نہ کسی الجھن میں گرفتار ہے۔ ذہنی سکون ختم ہو گیا ہے۔ عدم تحفظ کے احساس سے حزن و ملال کے سائے گہرے اور دبیز ہو گئے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے کہ ہم آفاتِ ارضی سماوی کی یلغار کی زد میں ہیں۔ ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے دیکھا جائے تو فرمانِ خداوندی کے بموجب انسانی معاشرہ میں آباد لوگوں کے جرائم اور ان کی خطاکاریاں آفتوں اور ہلاکتوں کو دعوت دیتی ہیں۔

کفالت

استغنا سے مراد صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی روپے پیسے کی طرف سے بے نیاز ہو جائے۔ روپے پیسے اور خواہشات سے کوئی بندہ بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ضروریات زندگی اور متعلقین کی کفالت ایک لازمی امر ہے اور اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ استغنا سے مراد یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کرے اس عمل میں اس کے ساتھ اللہ کی خوشنودی ہو اور اس طرز فکر یا عمل سے اللہ کی مخلوق کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچے۔

احساس کمتری

آپ ذرا لالچ، طمع اور ہوس زر کی بندشوں کو توڑ کر دیکھئے کتنا سکون ملتا ہے۔دنیا کا کوئی آدمی برا نہیں خیالات اچھے یا برے ہوتے ہیں۔آپ کے پاس اگر دولت ہے۔اسے اللہ کی راہ میں سسکتی، روتی اور کراہتی ہوئی مخلوق پر خرچ کیجئے۔جو کچھ آپ کے پاس ہے اس شکر بجالائیے جو نہیں ہے اس پر کڑھیئے نہیں۔احساس کمتری سے خود کو دور رکھئیے۔قدر و منزلت، شرافت و نجات کا معیار دولت نہیں۔ہر آدمی کے پاکیزہ اور زندہ خیالات ہیں۔

گونگے بہرے

نوع انسانی کے عاقل اور بالغ شعور افراد زمینی اور آسمانی مناظر اور مظاہرہ کا مطالعہ کریں اور عقل و دانش کی گہرائیوں سے ان پر غور کریں۔

''آپ کہہ دیجئے، مشاہدہ کرو جو کچھ کہ ہے آسمانوں اور زمینوں میں۔ کیا تم مشاہدہ نہیں کرتے؟ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟ کیا تم تدبر نہیں کرتے؟ خدا کی نظر میں بدترین مخلوق وہ لوگ ہیں جو گونگے بہرے ہیں یعنی گونگے بہرے جیسی زندگی گزارتے ہیں اور تدبُر سے کام نہیں لیتے۔'' (قرآن)

نسلی تشخص

ہمارا دوست خدا ہمیں تسلسل کے ساتھ سنبھالے ہوئے ہے کہ ہمارا نسلی تشخص برقرار رہے۔ پیدائش کا عمل ایک ہونے کے باوجود کائنات کے ہر وجود کی اپنی الگ ایک شناخت ہے جب ہماری " زمین ماں " ہمارے دکھ سکھ ختم کرنے کے لئے ہمیں اپنی آغوش میں اس طرح سمیٹ لیتی ہے کہ مادی وجود معدوم ہو جاتا ہے تو خدا ہمارا دوست ہمیں دوسری دنیا میں نسلی سلسلہ کے خلاف پیدا کر دیتا ہے۔ مرنے جینے کا یہ سلسلہ ازل سے قائم ہے اور ابد تک قائم رہے گا۔

نمونہ

فاصلوں کی جکڑ بندیوں میں پھنسے ہوئے انسان صلاحیتیں موجود ہیں کہ زمین کی طنابیں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ایک سیارے سے دوسرے سیارے،ایک نظام شمسی سے دوسرے نظام شمسی تک کے فاصلے،خالق کائنات نے اس کو جو بصارت عطا کی ہے وہ مکانی اور زمانی فاصلوں سے ماورا ہے۔آدمی کو اس کے بنانے والے نے خلاصہ کائنات بنا کر اپنی تخلیق کا اعلیٰ ترین نمونہ بنایا ہے۔

برتری

زمین بیمار اور عضو ضعیف کی مانند کراہ رہی ہے۔ خدارا میرے اور اپنے اوپر رحم کرو۔ مگر کوئی کان ایسا نہیں جو اس کی سسکتی ہوئی اور غم میں ڈوبی ہوئی آواز کو سنے۔ اپنی برتری حاصل کرنے کے لئے قوموں نے ایسے ایسے ہتھیار بنا لئے ہیں جن کے اوپر موت منڈلا رہی ہے اور ان ہتھیاروں کی موت چار ارب انسانوں کی موت کا پیش خیمہ ہے۔ ایک مرتبہ جب کوئی چیز وجود پا لیتی ہے تو اس کا استعمال لازمی ہو جاتا ہے۔

مراقبہ

بے قراری، عدم سکون اور اضطراب سے رستگاری حاصل کرنے کے لئے اسلاف سے جو ہمیں ورثہ ملا ہے اس کا نام مراقبہ ہے ۔مراقبہ کے ذریعے ہم اپنے اندر مخفی صفات کو منظر عام پر لا سکتے ہیں۔خوف و دہشت میں مبتلا، عدم تحفظ کے احساس میں سسکتی اور مصائب و آلام میں گرفتار نوع انسانی کے لئے مراقبہ ایک ایسا لائحہ عمل ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنا کھویا ہوا اقتدار دوبارہ حاصل کر کے زندہ قوموں کی صفوں میں ممتاز مقام حاصل کر سکتے ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا

قرآن کو اس عزم، اس ولولے اور ہمت کے ساتھ پڑھئے کہ اس کی نورانی کرنوں سے ہمیں اپنی زندگی سنوارنی ہے۔ قرآن آئینے کی طرح آپ کے اندر رہر داغ اور ہر دھبے نمایاں کر کے پیش کرتا ہے قرآن ایک ایسی انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ قرآن میں بیان کردہ نعمتوں سے کتنا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

لوحِ محفُوظ

زندگی کا ہر عمل اپنی ایک حیثیت رکھتا ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ جس چیز کا وجود اس دنیا میں ہے یا آئندہ ہو گا وہ کہیں پہلے سے موجود ہے یعنی دنیا میں کوئی چیز اس وقت تک موجود نہیں ہو سکتی جب تک وہ پہلے سے موجود نہ ہو کوئی آدمی اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ وہ پیدا ہونے سے پہلے کہیں موجود تھا۔ زندگی کے نشیب و فراز، دن رات اور ماہ و سال کے وقفے پہلے سے ایک فلم کی صورت میں ریکارڈ ہیں یہ ریکارڈ کائناتی فلم یا ''لوح محفوظ'' ہے۔

اسکرین

جسم انسانی کے اوپر ایک اور انسان ہے جو روشنیوں کا بنا ہوا ہے جتنی بیماریاں الجھنیں اور پریشانیاں انسان کے اوپر آتی ہیں روشنیوں کے انسان میں آتی ہیں۔ گوشت پوست کے خاکی جسم میں نہیں ہوتیں۔ جسم دراصل ایک اسکرین ہے اور روشنیوں کا انسان فلم ہے۔ فلم میں سے اگر داغ دھبوں کو دور کر دیا جائے تو اسکرین واضح اور صاف نظر آتی ہے۔ بالفاظِ دیگر روشنیوں کے انسان میں سے بیماریوں کو نکال دیا جائے تو جسم خود بخود صحت مند ہو جاتا ہے۔

رضائے الٰہی

اولیاء اکرام اور عارف باللہ کشف اور الہام سے وابستہ ہوتے ہیں۔ مراقبے کے ذریعے کشف اور الہام کی طرزیں ان کے ذہنوں میں اتنی مستحکم ہو جاتی ہیں کہ وہ مظاہر کے پس پردہ کام کرنے والے حقائق سمجھنے لگتے ہیں اور ان کا ذہن مشیت الٰہیہ کے اسرار و رموز کو جو براہ راست دیکھتا اور سمجھتا ہے اور پھر وہ قدرت کے رازدار بن جاتے ہیں۔ ان رُوحانی مدراج کے دوران ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ ان حضرات کا ذہن، ان کی زندگی اور زندگی کا ایک ایک عمل رضائے الٰہی کے تابع ہو جاتا ہے۔

تخت

ایک چیونٹی نے جلیل القدر پیغمبر اور عظیم الشان بادشاہ حضرت سیلمانؑ کے لشکر کی دعوت کی۔ آپ کے لشکر میں انسانوں کے علاوہ جنات، پرند، چرند، درند سبھی شامل تھے۔ ہواؤں اور موسموں پر بھی آپ کی حکومت تھی۔ میزبان چیونٹی کو حضرت سیلمانؑ نے اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا اور پوچھا۔ ''بتا تیری سلطنت بڑی ہے یا میری؟ چیونٹی ننے کہا۔ ''کس کی سلطنت پُر عظمت ہے یہ بات تو اللہ معلوم ہے مگر میں یہ جانتی ہوں کہ اس وقت میرا تخت سیلمان کا ہاتھ ہے۔''

فنا

زمین کا ہر ذرہ آدم کی تصویر کا عکس ہے لیکن یہی ایک ذرّہ جب متشکل اور مجسم ہو جاتا ہے تو فنا کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ آدمی مٹی میں دفن ہو کر پھر مٹی بن جاتا ہے۔ مٹی کے ذرّات بو قلمونی کے ساتھ پھر متشکل اور مجسم ہو جاتے ہیں اور پھر فنا کے راستے پر چل کر مٹی میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ تحلیل نفسی کے اس مسلسل اور متواتر عمل سے آدمی کے اندر مٹی کی جفائیں برداشت کرنے کی سکت پیدا ہو جاتی ہے۔

تعصّب

محبت سراپا اخلاص ہے، نفرت مجسم غیظ وغضب اور انتقام کے خدوخال پر مشتمل ہے۔ غصہ بھی نفرت کی ایک شکل ہے۔ قرآن کہتا ہے ''جو لوگ غصہ کو کھاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں، اللہ ایسے احسان کرنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے۔'' نفرت کا ایک پہلو تعصّب بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص تعصّب پر جیا اور مرا وہ مجھ سے نہیں ہے ۔ تعصّب کرنے والا بندہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفاعت سے محروم رہتا ہے۔

فتنہ

کیسی عجیب بات ہے کہ بندہ اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ، اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ اور اپنی پوری دانائی کے ساتھ فتنوں سے قریب ہونا اپنے لئے سعادت سمجھتا ہے۔ یاد رکھیئے ہر وہ چیز جو عارضی ہے حقیقت نہیں ہوتی اور جو چیز حقیقی نہیں ہے وہ حق سے قربت حاصل نہیں کر سکتی۔ مال ہو یا اولاد یہ سب عارضی تصویریں ہیں۔ بندہ جب ان عارضی تصویروں کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیتا ہے تو یہ سب اس کے لئے مصیبت اور فتنہ بن جاتی ہیں۔

آزادی

یہ بھری پُری دنیا ایک طلسم کدہ ہے۔اس میں ایسا جادو ہے کہ اس کو سمجھنا رتی، ماشہ تولنے والی عقل کے بس کی بات نہیں، غور کیا جائے تو ساری دنیا مٹی ایک کھلونا ہے جس کا مقدر بالآخر ٹوٹ کر بکھر جانا ہے۔

پابند زندگی کی حقیقت شراب کے ایک گھونٹ کی ہے۔ مل گیا تو فبہا اور نہ بھی ملا تو کیا فرق پڑتا ہے۔وہ شراب چاہئے جس کا ایک گھونٹ مجھے ٹائم اسپیس کی قید و بند سے آزاد کر دے۔

کشش

دوستوں کی صحبت میں بیٹھ کر وہی رحجانات اور خیالات پیدا ہوتے ہیں جو دوستوں میں کام کر رہے ہیں قلبی لگاؤ اسی سے بڑھانا چاہیے جس کا ذوق افکار و خیالات اور دوڑ دھوپ اسوۂ حسنہ کے مطابق ہو۔ دوستوں پر اعتماد کیجئے، انہیں افسردہ نہ کیجئے۔ ان کے درمیان ہشاش بشاش رہیے۔ دوستی کی بنیاد خلوص، محبت اور رضائے الٰہی پر ہونی چاہیے نہ کہ ذاتی اغراض پر۔ ایسا رویّہ اپنائیے کہ دوست آپ کے پاس بیٹھ کر مسرت زندگی اور کشش محسوس کرے۔

ملائکہ

اے آدم زاد! اپنے حافظہ کی اسکرین پر پڑے ہوئے پردوں کو چاک کردے اور اندر جھانک کیا تجھے وہ سہانا زمانہ یاد نہیں آتا جب تو آزاد فضاؤں (جنت) میں سانس لیتا تھا۔ بھوک پیاس کی تکلیف تھی نہ دھوپ تجھے ستاتی تھی۔ نہ کوئی ڈر تھا نہ پریشانی۔ ملال کیا ہے تو اس سے واقف نہ تھا۔ جہاں سے دل چاہے خوش ہو کر کھاتا تھا۔ زمانی مکانی فاصلے تیرے پیر کی زنجیر نہ تھے۔ خوشی سے سرشار پنچھی کی طرح لامکانی وسعتوں میں تیری پرواز زبان زدِ ملائکہ تھی۔

آغاز

ایک زمانہ ایسا بھی گزار ہے جب گلشن زندگی پر خزاں کا پہرا تھا۔ ہر طرف سکوت وانجماد تھا۔ وقت، حرکت اور بے چینی ایک دوسرے سے ناآشنا تھے۔ خدا نے چاہا کہ تنہائی ختم ہو اور سکوت حرکت میں تبدیل ہو جائے، مخلوقات کا ظہور ہو تا کہ اس کی قدرت اور ربوبیت کا مظاہرہ ہو اور مخلوق اس کی عظمت، حکمت اور صناعی کو دیکھے اور اس کو پہچانے۔ خدا کا ارادہ صدائے ''کن'' بن کر گونجا، زندگی نے انگرائی لی اور حرکت کا آغاز ہوا۔

تفاسیر

المیہ تو یہ ہے کہ قرآن کے مفہوم کے بارے میں بھی مسلمان متفق نہیں ہیں۔ایک ایک آیت کی تاویل میں بے شمار اقوال ہیں اور ان اقوال میں سے اکثر ایک دوسرے کے متضاد ہیں جب کہ مفسرین کرام کے پاس کوئی سند ایسی نہیں ہے جس کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاسکے کہ ان میں سے کس کا قول حق ہے۔اس طرز عمل کا یہ نتیجہ نکلا کہ اختلافات کا پودا تناور، گھنا اور لمبا درخت بن گیا یا کل جو درخت ایسا تھا جس کے نیچے بمشکل چند افراد قیام کر سکتے تھے آج اس درخت کے نیچے پوری قوم خواب خرگوش میں گمُ ہے۔

مقدار

ہر تخلیق میں معیّن مقداریں کام کر رہی ہیں جو ہر نوع کو دوسری نوع سے، ہر فرد کو دوسرے فرد سے ممتاز کر دیتی ہیں۔ مٹی کے ذرات ایک ہی ہیں لیکن ان ذرات کی مقداروں میں ردوبدل سے طرح طرح کی تخلیق وجود میں آرہی ہے۔ مٹی کے یہ ذرات ایک ہی ہیں کہیں سرو سمن، کہیں کوہ ودمن اور کہیں خوش الحان پرند بن جاتے ہیں۔اور جب بظاہر مٹی کے یہ بے جان ذرات زندگی کو اپناتے ہیں تو رنگ رنگ کائنات میں رنگینی بکھر جاتی ہے۔

نفرت

انبیائے کرام کا مشن یہ رہا ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق کی ذہنی تربیت اس نہج پر کریں کہ ان کے اندر آپس میں بھائی چارہ ہو، ایثار ہو، اخلاص ہو اور وہ ایک دوسرے کے کام آئیں۔ جس معاشرے میں خلوص اور محبت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے وہ معاشرہ پر سکون رہتا ہے اور جس معاشرے میں بے گانگی اور نفرت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اس معاشرے کے افراد ذہنی خلفشار اور عدم تحفظ کے احساس میں مبتلا رہتے ہیں اور سسک سسک کر مر جاتے ہیں۔

ناشاد

رنگ وبو کی اس دنیا کی طرح ایک اور دنیا بھی ہے جو مرنے کے بعد ہمارے اوپر روشن ہوتی ہے۔ہم کتنے بدنصیب ہیں کہ ہم نے اس نادیدہ دنیا کی طرف سفر نہیں کیا۔پیغمبر اسلام ﷺ کے ارشاد ''مر جاؤ مرنے سے پہلے ''پر عمل کر کے اگر ہم اس دنیا سے روشناسی حاصل کر لیں تو اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے کہ ناشاد و نامراد زندگی کو مسرت و شادمانی میسر آجائے گی۔

اسراف

رُوحانی نقطہ نظر سے جب کوئی بچہ بطنِ مادر سے زمین کی بساط پر آتا ہے تو اس کے اندر پانچ ہزار سال عمر گزارنے کے لئے روشنیوں کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ جس کو وہ اپنی نادانی جھوٹے وقار اور خود نمائی کے عمل سے اتنا زیادہ خرچ کر دیتا ہے کہ پانچ ہزار سال کی عمر پچاس یا ساٹھ سال کی عمر بن جاتی ہے یعنی پانچ ہزار سال زندہ رہنے والا آدمی عمر کا اسراف بے جا کر کے پچاس یا ساٹھ سال میں اسے ختم کر دیتا ہے اور مر جاتا ہے۔

لاش

جسمانی وجود کا انحصار روح پر ہے۔ روح کا انحصار جسمانی وجود پر نہیں اور اس کی مثال یہ ہے کہ رُوح کے بغیر آدمی کی حیثیت ایک لاش کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ جب تک رُوح گوشت پوست کے وجود سے تعلق رکھتی ہے گوشت پوست کے وجود میں حرکت موجود رہتی ہے اور جب روح گوشت پوست کے جسم سے اپنا رشتہ منقطع کر لیتی ہے تو یہ جسمانی وجود نہ سنتا ہے، نہ بولتا ہے اور نہ محسوس کرتا ہے۔

کھنڈرات

جو قوم دولت پرستی میں مبتلا ہو جاتی ہے، ذلیل و خوار ہو جاتی ہے یہ کوئی کہانی نہیں ہے زمین پر اس کی شہادتیں موجود ہیں بڑی بڑی سلطنتوں اور محلات کے مالک ان کے عالی شان محلات آج کھنڈرات کی شکل میں زمین پر جگہ جگہ موجود ہیں۔ کیا یہ لوگ زمین پر گھوم پھر کر نہیں دیکھتے کہ پہلی اقوام کا انجام کیا ہوا۔ وہ لوگ قوت اور تہذیب و تمدن میں ان سے برتر تھے۔ لیکن اللہ نے انہیں ان کے گناہوں کی سزا میں پکڑ لیا اور انہیں کوئی نہیں بچا سکا۔

الٰہی مشن

کسی عاقل، بالغ اور باشعور آدمی کو اگر یہ معلوم نہ ہو کہ اس کے ماں باپ کون ہیں تو وہ کتنا ہی ذہین اور قابل کیوں نہ ہو اس کے اوپر احساس محرومی مسلط ہو جاتا ہے۔ احساس محرومی انسانی زندگی میں ایسا بڑا خلا ہے جس سے انسان دماغی مریض بن جاتا ہے۔ ہم اس بات سے تو وقوف رکھتے ہیں کہ ہمارا وجود ہے لیکن اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ ہمارا پیدا کرنے والا کون ہے الٰہی مشن یہ ہے کہ بندہ جس طرح اپنے ماں باپ سے واقف ہے اس طرح اپنے خالق سے بھی واقف ہو۔

تشخص

ہر شے کا ایک تشخص ہے خواہ ہم اسے غیر مرئی سمجھیں اور کوئی اہمیت نہ دیں۔ جب انسان کسی خواہش کی تکمیل کو اپنا نصیب العین بنالیتا ہے تو در حقیقت وہ اس تشخص کو اپنے اوپر مسلط کر لیتا ہے۔ اگر انسان کا مطمحِ نظر ذاتی مفاد ہے تو وہ خاکی جسم میں مقید ہو جاتا ہے جہاں تنگی ہے، گھٹن ہے، اندھیرا ہے، وہ اس تشخص کے طول و عرض میں بند رہتا ہے، باہر نہیں نکل سکتا، تیرہ و تاریک قید خانے میں بند قیدی کی طرح اس کا رابطہ وسیع اور وعریض ماوراء رنگین دنیا سے باقی نہیں رہتا۔

عطر بیز

اگر انسان کے اندر خود سکون ہے تو وہ دوسروں کے لئے بھی طمانیت کا ذریعہ ہے۔اس کا عکس ٹھنڈا اور عطر بیز ہے تو اس کی روحانیت کیفیت حقیقی ہیں اور اگر انسان خود سکون سے دور ہے اس کے اوپر غم کے بادل چھائے رہتے ہیں تو وہ خوف اور ڈر کے خشک اور بے آب و گیا پہاڑوں کے دامن میں کراہ رہا ہے۔یہ کیفیت شیطانی الہام ہے اور اس کی ساری زندگی دھوکا ہے۔

قدرت کے ہاتھ

قدرت اپنے پیغام کو پہچانے کے لئے دیئے سے دیا جلاتی رہتی ہے۔ معرفت کی مشعل ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ آخر یہ قطب، غوث، ولی، ابدال، صوفی، مجذوب اور قلندر سب کیا ہیں۔ یہ قدرت کے وہ ہاتھ ہیں جو روحانی مشعل لے کر چلتے رہتے ہیں اس روشنی سے اپنی ذات کو بھی روشن رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی روشنی کا انعکاس دیتے ہیں۔

استغنا

استغنا ایک ایسی طرز فکر ہے جس میں آدمی فانی اور مادی چیزوں سے ذہن ہٹا کر حقیقی اور لافانی چیزوں میں تفکر کرتا ہے۔ یہ تفکر جب قدم قدم چل کر کسی بندے کو غیب میں داخل کر دیتا ہے تو سب سے پہلے اس کے اندر یقین پیدا ہو جاتا ہے جیسے ہی یقین کی کرن دماغ میں پھوٹتی ہے غیب کی دنیا آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

بڑائی

بڑائی صرف اس کو زیب دیتی ہے جو اپنے اندر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے اللہ کی صفات کے سمندر کا عرفان رکھتا ہو، جو اللہ کی مخلوق کے کام آئے کسی کو اس کی ذات سے تکلیف نہ ہو۔

فارمولا

ہم علم الکتاب حاصل کر کے زمان و مکان یعنی TIME & SPACE کی گرفت کو توڑ سکتے ہیں۔ قرآن کے علوم جاننے والا بندہ وسائل کے بغیر خلا میں پرواز کرنے اور ایک جگہ سے دور دراز دوسری جگہ کسی چیز کو منتقل کرنے پر قدرت رکھتا ہے ۔آسمانوں اور زمین میں موجود تمام اشیا اس ہی بندہ کے لئے مسخر ہوتی ہیں۔

خدمت خلق

اگر آپ اپنے اللہ اپنے خالق سے متعارف ہو کر اس کی قربت اختیار کر کے کائنات پر اپنی حاکمیت قائم کرنا چاہتے ہیں تو اللہ کی مخلوق کی خدمت کو اپنا شعار بنا لیجئے۔ بلاشبہ اللہ کی مخلوق سے محبت رکھنے والے لوگ اللہ کے دوست ہیں اور دوست پر دوست کی نوازشات و کرامات کی ہمیشہ بارش ہوتی رہتی ہے۔

معانی

بڑائی اور بھلائی کا جہاں تک تعلق ہے، کوئی عمل دنیا میں بُرا ہے نہ اچھا ہے۔ دراصل کسی عمل میں معنی پہنانا اچھائی یا برائی ہے۔ معانی پہنانے سے مراد نیت ہے۔ عمل کرنے سے پہلے انسان کی نیت میں جو کچھ ہوتا ہے وہی خیر یا شر ہے۔

فلسفہ

تمام نوع انسانی کی تاریخ میں لاکھوں باتیں کرنے والے حکماء فلسفی، ہیئت داں، طبیعاتی ماہرین وغیرہ پیدا ہوئے اور کچھ نہ کچھ کہتے رہے ان میں اختلاف رائے تھا، کیوں؟ اس لئے کہ حقیقت تک کوئی نہیں پہنچا۔ حقیقت صرف ایک ہو سکتی ہے، ہزاروں لاکھوں نہیں ہو سکتیں۔ اگر یہ لوگ حقیقت سے واقف ہو جاتے ہیں تو اختلاف رائے ہر گز نہیں ہوتا۔

انعام یافتہ

قیامت کے روز یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ ہم نے اپنی اولاد کو کس قسم کے کھانے کھلائے اور کیسا لباس پہنایا تھا۔ وہاں پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنے اولاد کی تربیت کیسے کی تھی؟ صحیح تربیت کرنے والے والدین سرفراز ہوں گے اور یہی وہ لوگ ہیں جو انعام یافتہ ہیں ۔

خودشناسی

پاکیزہ نفس اور رُوحانیت سے سرشار لوگوں کی محبت بندے کو خودشناسی سے قریب کرتی ہے۔ یہ کون لوگ ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں خدا کے خاطر محبت کرتے ہیں۔ بلاشبہ محبت آخرت کی نجات ہے۔

فاضل عقل

فطرت اور جبلّت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جبلّت میں ہمارا دوسری نوعوں مثلاً بھیڑ، بکری، گائے، بھینس، کتے، بلی، سانپ، کبوتر، فاختہ وغیرہ کے ساتھ ذہنی اشتراک ہے اور فطرت میں ہم اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ یہ مقام ہمیں ایک ہستی نے جو تمام نوعوں سے ماوراء ہے اور تمام افراد کائنات پر فضیلت رکھتی ہے عطا کیا ہے اور یہ عطا ایک فاضل عقل یا تفکر کرنے کی صلاحیت ہے۔

ایک قطرہ

ہماری زندگی محض دنیا کے حصول تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ ہماری عبادتیں بھی دکھاوے اور دنیاوی برکتیں سمیٹنے کے لئے مخصوص ہو گئی ہیں۔ ہم اعمال کے ظاہری پہلو کو تو بہت اہمیت دیتے ہیں مگر باطن میں بہتے ہوئے علم و آگہی کے سمندر میں سے ایک قطرہ آب بھی نہیں پیتے۔

من مندر

سب سے بہترین دوست انسان کا اپنا من ہے۔ جس نے من کو سمجھ لیا اور من کے اندر اپنی مورتی کو دیکھ لیا وہ دوست سے واقف ہو گیا یعنی وہ خود اپنا دوست بن گیا۔

نیلا پربت

خلا سے اس پار آسمانوں کی وسعتوں میں جھانک کر دیکھا جائے تو مایوسیوں، ناکامیوں اور ذہنی افلاس کے سوا ہمیں کچھ نظر نہیں آتا۔ یوں لگتا ہے کہ زمین کے باسیوں کا اپنی ذات سے فرار اور منفی طرز عمل دیکھ کر نیلے پربت پر جھلمل کرتے ستاروں کی شمعِ اُمید کی لو مدہم پڑ گئی ہے۔ وہ انسان اشرف المخلوقات ہونے کا دعویٰ کرتا ہے ذہنی اعتبار سے حیوانات سے بر تر زندگی گزار رہا ہے جو سکون ایک بلی اور بکری کو حاصل ہے اس کا عشر عشیر بھی انسان کو میسر نہیں۔

طلسم

یہ ساری کائنات ایک اسٹیج ڈرامہ ہے۔اس اسٹیج پر کوئی باپ ہے، کوئی ماں ہے، کوئی بچہ ہے، کوئی دوست ہے، کوئی دشمن ہے، کوئی گناہ گار ہے، کوئی پاکباز ہے دراصل اسٹیج پر یہ کام کرنے والوں کرداروں کے مختلف روپ ہیں جب ایک کردار یا سب کردار اسٹیج سے اتر جاتے ہیں تو ایک ہو جاتے ہیں اور ان کے اوپر سے دنیا کی دوئی کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔

شیر اور بکری

یہ عجیب سربستہ راز ہے کہ پوری کائنات کے افراد اطلاعات اور خیالات میں ایک دوسرے سے ہم رشتہ ہیں۔البتہ اطلاعات میں معنی پہنانا الگ الگ وصف ہے۔ بھوک کی اطلاع شیر بکری دونوں میں موجود ہے لیکن بکری اس اطلاع کی تکمیل میں گھاس کھاتی ہے اور شیر بھوک کی اس اطلاع کو پورا کرنے کے لئے گوشت کھاتا ہے۔ بھوک کے معاملے میں دونوں کے اندر قدر مشترک ہے۔ بھوک کی اطلاع کو الگ الگ معنی پہنانا دونوں کا جداگانہ وصف ہے۔

دعوت دین

دین کی دعوت اور روحانی علوم کی اشاعت کے لئے تھوڑا کام کیجئے لیکن مسلسل کیجئے۔ لوگوں کو رُوحانی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کی دعوت دیجئے اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات، تکالیف اور آزمائشوں کا خندہ پیشانی سے استقبال کیجئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد عالی مقام ہے ''بہترین عمل وہ ہے جو مسلسل کیا جاتا ہے چاہے وہ کتنا ہی تھوڑا ہو۔''

صحائف

آسمانی صحائف میں بتایا گیا ہے کہ وسائل پر حکمرانی یہ ہے کہ ارادہ کے ساتھ وسائل حرکت میں آجاتے ہیں۔ارادہ کیا ہے ؟ارادہ رُوح کی لامتناہی تخلیقی صفات کا مظاہرہ ہے۔

دو لکیریں

قرآن کی حقیقی تعلیم اور مسلمانوں کے عمل میں بہت بڑا تضاد واقع ہو چکا ہے۔ قرآن جس راہ کا تعین کرتا ہے اور مسلمان جس راہ پر چل رہا ہے یہ دونوں دو ایسی لکیریں ہیں جو آپس میں نہیں ملتیں۔

گردش

جس طرح ستارے اور زمین گردش میں ہیں کائنات کا ایک ایک ذرہ متحرک ہے۔انسان جس کے لئے یہ ساری کائنات تخلیق کی گئی ہے وہ بھی ہر لمحہ ہر آن جذبات اور احساسات کی دنیا میں ردوبدل ہورہا ہے۔

اللہ کا ذہن

کچھ نہ تھا، اللہ تھا، جب اللہ نے چاہا بشمول کائنات ہمیں تخلیق کر دیا۔ تخلیق کی بنیاد (BASE) اللہ کا چاہنا، اللہ کا ذہن ہے. مطلب یہ ہوا کہ ہمارا اصل وجود اللہ کے ذہن میں ہے۔

فیضان

لازوال ہستی اپنی قدرت کا فیضان جاری و ساری رکھنے کے لئے ایسے بندے تخلیق کرتی رہتی ہے جو دنیا کی بے ثباتی کا درس دیتے رہتے ہیں۔ خالق حقیقی سے تعلق قائم کرنا اور آدم زاد کو اس سے متعارف کرانا ان کا مشن ہوتا ہے۔

توقعات

کسی سے توقع نہ رکھی جائے۔اس لئے کہ جو بندہ کسی سے توقع نہیں رکھتا ناامید بھی نہیں ہوتا۔امیدیں توازن کے ساتھ کم سے کم رکھنی چاہئیں اور ایسی ہونی چاہئیں جو آسانی کے ساتھ پوری ہوتی رہیں۔

کھربوں دنیائیں

قلندر شعور ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ہم کائناتی تخلیقی فارمولوں کے تحت اپنے اندر ہر قسم کی غیر مرئی (INVISIBLE) صلاحیتوں کو اپنے ارادے اور اختیار سے متحرک کر سکتے ہیں۔ایک آدمی جب اپنے اندر دور کرنے والی بجلی یا نسمہ سے واقف ہو جاتا ہے تو وہ بجلی کے بہاؤ کو روک بھی سکتا ہے اور اپنے اندر زیادہ سے زیادہ والٹیج کا ذخیرہ بھی کر سکتا ہے اور اس ذخیرے سے ماورائی دنیا میں بغیر کسی وسیلے کے پرواز بھی کر سکتا ہے۔الیکٹریسٹی کے ذخیرے کے بعد اس کے اندر ایسی سکت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے ارادے اور اختیار سے آسمان اور زمین کے کناروں سے باہر نکل جاتا ہے۔اس کی آنکھوں کے سامنے زمین کی کہکشاں میں بے شمار زمینیں آجاتی ہیں۔جس طرح وہ اپنی زمین پر آباد اللہ کی مخلوق کو دیکھتا ہے اسی طرح کھربوں دنیاؤں کا بھی مشاہدہ کرتا ہے۔جس طرح ایک فلم سینکڑوں ہزاروں اسکرین پر دیکھی جا سکتی ہے اسی طرح کائنات کی تمثیل لوحِ محفوظ سے ڈسپلے (DISPLAY)ہو رہی ہے۔کائنات میں موجود ہر زمین ایک اسکرین ہے۔لاشعور بیدار ہو جاتا ہے تو یہ ساری کائنات ایک فلم اور کائنات میں کھربوں زمینیں اسکرین نظر آتی ہیں جو کچھ اس زمین پر ہو رہا ہے بالکل اسی طرح کائنات میں موجود دوسری تمام زمینوں پر بھی یہ نظام جاری و ساری ہے۔

طاقت

قدرت کا چلن یہ ہے کہ کوئی غیر معمولی طاقت اسی کو ملتی ہے جو اس کا موزوں استعمال جانتا ہے اور جو لوگ اس قسم کی طاقت حاصل کرنے کے بعد بے جا فخر اور گھمنڈ کے نشے میں غیر اخلاقی اور غیر انسانی حرکات شروع کر دیتے ہیں اُن سے یہ طاقت چھین لی جاتی ہے۔اس لئے یاد رکھئیے کہ سب سے پہلے آپ کے دل میں اپنی شخصی تعمیر اور پھر کائنات کا عزم ہونا چاہئے۔

امتحان

تمام مذاہب کی یہ تعلیم عام ہے کہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔امتحان میں کامیابی فرد اور قوم کے لئے سکون و راحت کا ذریعہ ہے۔جو فرد یا قوم امتحان میں فیل ہو جاتا ہے۔نارِ جہنم اس کا ٹھکانا ہے۔